بیعت کی حقیقت



مُصنّف:
پیر سیّد حافظ اشتیاق حسین جماعتی

درود شریف ہزارہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ
عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ
ذَرَّۃٍ مِّاَۃَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّۃٍO

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتداء

۲۱ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

بروز جمعۃ المبارک

5 نومبر 2004ء

بیعت کی حقیقت

شہزادہ امیر ملت

از

حافظ پیر سیّد اشیاق حسین

خادم جماعتی

نام کتاب .... بیعت کی حقیقت

مصنف .... حافظ پیر سیّد اشتیاق حسین

پرنٹرز .... سہیل پبلشرز

تعداد 1000

ایڈیشن 2006

کمپوزنگ .... حافظ رضاء کراچی 0345 2323027

ٹائیٹل .... آرائین سکینر

قیمت .... Rs. 40/-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَسَلِّم

انتساب

اس تالیف لطیف کو زبدۃ العارفین قدوۃ الوٰصلین غوثِ زماں مجددِ دوراں حضرت قبلہٗ عالم امیر ملت الحاج الحافظ پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام کرتا ہوں' جن کے نورِ ولایت سے اک جہاں منور ہوا اور ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ ہوتا رہے گا۔

اس مردِ کامل کے صدقے سے اللہ رب العزت کے حضور دعا گو ہوں کہ یا الٰہی اپنی رحمتِ خاص سے اس کتاب کو نافع خلائق بنا۔ آمین! اور پیاری دادی اماں اور والدہ صاحبہ جن کی دعاوں سے میں اس قابل ہوں۔

ناچیز

شہزادہ امیر ملت

حافظ پیر سیّد اشیاق حسین

خادم جماعتی

پیر سید جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ویب سائٹس، بلاگز، ویڈیو اور تصاویر کے لنکس

ویب سائٹس	http://ameeremillat.org/
ویب سائٹس	http://ameer-e-millat.com/
ویب سائٹس	http://ameeremillat.com/
ویب سائٹس	http://www.haqwalisarkar.com/
ویب سائٹس	http://www.charaghia.com/
کتابیں	http://www.scribd.com/bakhtiar2k
تصاویر	http://www.flickr.com/photos/34727076@N08/
تصاویر	http://www.flickr.com/photos/91889703@N07/
فیس بک پر پیر بھائیوں کا گروپ	http://www.facebook.com/groups/alipurmureeds/
بلاگز	http://wwwnfiecomblogspotcom.blogspot.com/2009_06_01_archive.html
بلاگز	http://www.jamaatali.blogspot.com/
بلاگز	http://alipuri.blogspot.com/2009/06/about-pir-syed-jamaat-ali-shah.html
بلاگز	http://www.jamaatali.blogspot.com/
ویڈیو	http://vimeo.com/user13885879/videos
ویڈیو	Youtbe: bakhtiar2k
اسلامی کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں	www.marfat.com
اسلامی کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں	www.maktabah.org
نعتیں ڈاؤن لوڈ کریں	www.fezanenaat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم یا ایھا الذین امنو اتقوا اللہ و ابتغوا الیہ الوسیلة وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون ۔ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کے رستے میں جہاد کرو۔ امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ''۔ (پ۔۱۰' المائدہ: ۳۵)

اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ وسیلہ تلاش کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ یعنی ایمان' اتقاء اور جہاد فی سبیل اللہ کو جیسا ضروری بیان فرمایا ویسے ہی وسیلہ کا پکڑنا بھی ضروری امر قرار دیا ہے۔ بلکہ نجات کا دار و مدار ہی ان چار چیزوں پر رکھا ہے۔ ایمان ہو' اتقاء ہو' جہاد ہو اور وسیلہ اس کے قرب حاصل کرنے کے واسطے بھی جب تو نجات ہے ورنہ معاملہ مشکل ہے۔ لغوی تحقیق: ابن منظور لفظ ''وسیلہ'' کی تلاش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الوسیلة فی الاصل مایتو صل بہ الی الشی ویتقرب بہ الیہ ۔
''جس چیز کے ذریعے کسی تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل ہو اسے وسیلہ کہتے ہیں''۔ (لسان العرب)

صاحبان کشف لکھتے ہیں **الوسیلہ کل مایتقرب بہ** (کشاف) یعنی جس کے ذریعے قرب حاصل ہو وہ وسیلہ ہے۔

ایمان نیک اعمال' عبادت' پیروی سنت اور گناہوں سے بچنا یہ سب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے

اور اس کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ ہے اور ذریعہ ہے اور پھر مرشد کامل جو اپنی روحانی توجہ سے مرید کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتار دے۔ دل میں یادِ الٰہی کی تڑپ پیدا کر دے اور سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کا پابند بنا دے تو اس کے وسیلہ ہونے میں کون شک کر سکتا ہے۔ کاملین امت نے ایسے مرشد کی تلاش میں سیکڑوں' ہزاروں کوس (میل) کی مسافت کو پیدل طے کیا اور ان کی رہنمائی اور دستگیری سے آسمان معرفت وحکمت پر مہر و ماہ بن کر چمکے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے وضاحت فرمائی کہ اس آیت میں وسیلہ سے مراد بیعت مرشد ہے۔ (قول جمیل)

اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے غیر مقلدین کے امام شاہ اسماعیل دہلوی کو لکھنا پڑا۔

اہلِ سلوک ایں آیت را اشارت بسلوک مے فہمند و وسیلہ مرشد رامے دانند پس تلاش مرشد بنا پر فلاح حقیقی و فوز تحقیقی پیش از مجاہدہ ضروری است و سنت اللہ پر ہمیں منوال جاریست لہٰذا بدون مرشد راہ یابی نادراست (صراط مستقیم)

یعنی سالکان راہ حقیقت نے وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے۔ پس حقیقی کامیابی اور کامرانی حاصل کرنے کے لیے مجاہدہ و ریاضت سے پہلے تلاش مرشد بہت ہی ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے سالکان راہِ حقیقت کے لیے یہی قاعدہ مقرر فرمایا ہے۔ اسی لیے مرشد کی راہمائی کے بغیر اس کا ملنا شاذ و نادر ہے۔

مولوی ہرگز نشد مولائے روم

تا غلامِ شمس تبریزی شد

(رومی علیہ الرحمہ)

دوسری آیت میں ارشاد ہوا۔

یاایھا الذین امنوا تقوا اللہ و کو نوآمع الصادقین ۔''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرواور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ''۔(سورۃ توبہ:۱۱۹)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

واتبع سبیل من اناب الی ۔''ان کے رستے پر چلو جو میری طرف متوجہ ہوئے''۔ (لقمان:۱۰)

تو وہ کون لوگ ہیں وہ اللہ کے نیک بندے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی کہ انبیاء، صالحین اور کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رستے پر چلنے کی تاکید فرمائی ہے اور ان صالحین بندوں کی صحبت اختیار کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔

نیک لوگوں کی صحبت کی اہمیت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو رہی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اولوالعزم پیغمبر تھے۔ ان کو علم لُدنی سیکھنے کے واسطے خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ چنانچہ قصہ قرآن پاک کے پندرہ پارہ کے اخیر میں موجود ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسرار علم لُدنی سے بے خبر تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام بار بار اعتراض سے منع فرماتے گئے۔ لیکن جب موسیٰ علیہ السلام اعتراض سے باز نہ آئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہہ دیا کہ آپ اعتراض سی باز نہیں آتے، اس لیے آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ ''**ھذا فراقُ بَیْنِی وَ بَیْنِکَ**'' کہہ کر رخصت کر دیا۔ اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر کے

کاموں پر، جو جائز ہوں، مرید کا اعتراض کرنا اس کی محرومیت کی دلیل ہے۔ مرید صادق وہ ہے جو پیر کے حکم کو بے دلیل مانے۔ دوسری بات یہ کہ دلوں کو سکون و اطمینان اولیاء اللہ کی صحبت سے ہی ملتا ہے اور کسی کے پاس دلوں کا سکون نہیں ملتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

''خبردار! دلوں کا چین اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہے''۔

حقیقت میں سب نعمتوں سے بڑی نعمت اطمینانِ قلب ہے اور وہ سوائے ذکرِ الٰہی کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ مال و دولت، جاہ وثروت تو دل کی مزید پریشانی کا باعث ہوتے ہیں۔

چندانکہ غنی تراند محتاج تراند

ایک ہندی شاعر لکھتا ہے:

نہ سکھ گھوڑی پالکی نہ سکھ چڑ کی چھاتھ
یا سکھ ہر کی بھگت میں یا سکھ ستیاں ناتھ

یعنی اطمینانِ قلب میں نے گھوڑے کی سواری میں تلاش کیا، نہ ملا۔ پالکی میں تلاش کیا، نہ ملا۔ تختِ شاہی پر بھی اطمینان نصیب نہ ہوا اور ملا تو اُسی ہی جگہ ملا، ذکرِ الٰہی یا صحبتِ صوفیاء۔ اطمینان کے طالب کو ان لوگوں یعنی صوفیائے کرام کی صحبت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اطمینانِ قلب انہی کے حصے میں دے کر رکھا ہے۔ ان کے سوا کوئی بھی دوسرا اس اطمینانِ قلب کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ ان کی خدمت اکبرِ اعظم ہے۔ یہ دونوں مذکورہ باتیں جو قرآن میں موجود ہیں، ان سے ثابت ہو رہا ہے کہ مرید کا پیر کی خدمت میں جانا ضروری ہے جس سے کسی اہلِ اسلام کو انکار نہیں ہوسکتا۔ سب سے ضروری امر یہ ہے کہ مرید اپنی عمر کا اکثر حصہ پیر کی خدمت میں گزارے اور حقیقت میں عمر بھی وہی ہے جو پیر کی خدمت میں بسر ہو۔

کسی ہندی شاعر نے کیا خوب کہا:

عمر سو جو گرواں نال گزرے

یعنی عمر وہی ہے جو پیر کی خدمت میں بسر ہوتی ہے اور اولیاء اللہ کی صحبت کی اہمیت حدیثِ پاک سے بھی واضح ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لیے کون سا ہمنشین بہتر ہے۔ ارشاد فرمایا: ''جس کے دیکھنے سے تمہیں اللہ کی یاد آئے، جس کے کلام سے تمہارے عمل میں اضافہ ہو اور جس کا عمل تمہیں آخرت کی یاد دلائے''۔ (مجمع الزوائد)

وہ کون لوگ ہیں جن کے دیکھنے سے اللہ یاد آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُھُمْ ۔ ''ایماندار وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے پاس اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جائیں''۔ (پ:۹)

اس آیت سے ایماندار کا نشان یہی پایا جاتا ہے کہ اللہ کی یاد سے اس کا دل متاثر ہو۔ جلال خداوندی اس کے دل کو ڈرا دے۔ عظمتِ الٰہی اس کے دل میں جاگزیں ہو۔ پس ان صفات کا حاصل کرنا مومن بننے کے واسطے ہر ایک آدمی کو ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ صفات انہی لوگوں سے مل سکتی ہے جو خود ان کے مشتاق ہوں اور ان اوصاف سے متصف ہو چکے ہوں۔ وہ سوائے صوفیائے عظام کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

حضور داتا علی ہجویری علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور کتاب ''کشف المحجوب'' میں صوفیاء کی وضاحت کی ہے کہ کون ہو سکتا ہے اور اس صوفی میں کیا کیا علامتیں ہو سکتی ہیں۔

فرماتے ہیں کہ درویش کا اللہ تعالیٰ کے راستے میں بہت بڑا مرتبہ و مقام ہے اور درویشوں کو خطرے بھی بہت بڑے ہوتے ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا۔ ''اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقبول بندے زمین پر بڑی احتیاط سے چلتے ہیں اور جب ان کے ساتھ جہلا مخاطب ہوتے ہیں تو اللہ کے بندے انہیں السلام علیکم کہہ دیتے ہیں۔ (سورۃ الفرقان: ۶۳)

یعنی جب جاہل لوگ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو پریشان کرتے ہیں تو وہ ان جاہلوں کو السلام علیکم کہہ کر اپنے مطلوب و مقصود کے حصول میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ سَمِعَ صَوْتَ اَهْلِ التَّصَوُّفِ فَلَا یُؤَمِّنَ عَلٰی دُعَائِهِمْ کُتِبَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْغَافِلِیْنَ۔

یعنی جس نے اہلِ تصوف کی بات سنی اور اس پر آمین نہ کی تو ایسا شخص اللہ کی بارگاہ میں غافلین میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ اہلِ علم نے تصوف کے بارے میں بہت زیادہ تحقیق کی ہے اور کئی کتابیں بھی لکھی ہیں۔

اہلِ علم کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ صوفی کو اس لیے صوفی کہتے ہیں کہ وہ صوف، کے کپڑے پہنتا ہے اور دوسری جماعت نے کہا کہ صوفی کو اس لیے صوفی کہتے ہیں کہ وہ اصحابِ صُفّہ رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے۔ ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ صوفی ''صفاء'' سے مشتق ہے۔ ہر کسی نے تصوف کے معانی بیان کرنے اور طریقت کی تحقیق میں بہت سے لطائف و باریکیاں بیان کی ہیں۔ لغت کے تقاضوں کے مطابق یہ تمام معانی اس سے دور ہیں، سوائے لفظ صفاء کے۔

پس مختصر یہ کہ صفاء کے معنی ہیں پاک اور صاف رہنا۔ پس صفائی ہر حال میں محمود اور

تعریف شدہ ہے اور صفا کی ضد کدر ہے۔ کدر کے معنی میل کچیل ہے اور یہ بری چیز ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ذَهَبَ صفو الدنيا بَقِي كَدُرُهَا ۔ ''دنیا سے صفائی چلی گئی اور میل کچیل باقی رہ گیا''۔ (بخاری۔ص:۴۱۶۔ج:۲)

چیزوں کی صفائی کا نام لطائف ہے اور چیزون کی میل کچیل کا نام کثائف ہے۔ پھر جب اہلِ طریقت وتصوف اپنے اخلاق و معاملات کو درست کر لیتے ہیں اور بشری برائیوں اور آفتوں سے طبیعت کو دور کر لیتے ہیں' اس وقت ان کو صوفی کے نام سے موسوم اور یاد کیا جاتا ہے۔ لفظ ''صوفی'' اہلِ طریقت کے لیے اسمائے اعلام میں سے ہے۔ یعنی اہلِ طریقت کا خاص اسم ہے۔ (دوسرے لوگوں کو یہ اپنے لیے استعمال کرنا درست نہیں)۔ اس لیے کہ ان کے معاملات کو اس طرح پوشیدہ رکھا کہ ان کا نام رکھنے کے لیے اشتقاق کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اکثر مخلوق کو تصوف اور اہلِ تصوف سے حجاب میں رکھا ہے اور تصوف کی عمدگی و پاکیزگی کو لوگوں کے دلوں سے پوشیدہ کر دیا۔ حتیٰ کہ ایک گروہ نے گمان کر لیا کہ ظاہری حالت کو درست اور شریعت کے مطابق کرنا' باطن کے مشاہدہ کیے بغیر اس کا نام تصوف ہے۔ اور ایک گروہ نے گمان کر لیا کہ تصوف ایک رسم ہے۔ اس کی کوئی حقیقت اور اصل نہیں۔ حتیٰ کہ گپیں ہانکنے والوں کی دید نے اور علماء ظاہر بین نے تصوف کی حقیقت کا کلی طور پر انکار کر دیا اور تصوف کے حجاب میں خوش وخرم ہیں۔ حتیٰ کہ عوام نے ان کی تقلید و پیروی اختیار کر لی اور باطن کی صفائی کی طلب کو دل سے مٹا دیا۔ بزرگانِ دین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے مذہب کو طاق پر رکھ دیا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

اِنَّ الصفاء صِفَةُ الصِدِّيق

اِنُ اَرَدُتَ صُوفِيًا على التحقيق

بے شک صفا حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی صفت ہے۔ اگر تُو صحیح اور جامع صوفی بننے کا ارادہ رکھتا ہے تو جس راستے کو انہوں نے اختیار کیا ہے تُو بھی اسی راستے کو اختیار کر اور کاملین میں سے ہو جا۔

تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اولیاء کرام کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

حقیقتِ بیعت

اب یہ سب کچھ ذکر کرنے کے بعد ایک اہم مسئلہ جو کہ بندۂ ناچیز ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اس لیے اس کا مسئلہ ذکر کرتا ہوں جو کہ ہم سب کے لیے مفید ہے۔ تو مسئلہ یہ ہے کہ کیا بیعت کرتے ہوئے ہاتھوں میں ہاتھ دینا ضروری ہے؟ اگر لاؤڈ اسپیکر پر پیر صاحب نے بیعت کروائی تو بیعت ہو جائے گی یا نہیں؟ کیا خط، ٹیلی فون، انٹرنیٹ کے ذریعے بیعت ہو جاتی ہے؟

اولاً یہ بات پیشِ نظر رہے کہ بیعت کی حقیقت کیا ہے؟ بیعت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نائب کے ہاتھ پر اللہ سے اقرار کرنا کہ ہم وفادار بندے رہیں گے اور اس اللہ کے بندے یعنی اپنے شیخ کو اس پر ضامن بنانا۔ بیعت کرتے وقت کسی کامل ولی کے ہاتھ میں ہاتھ دینا نص سے ثابت ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ۔ ''وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے''۔ (سورۃ الفتح:۲۶)

اس آیتِ پاک سے معلوم ہوا کہ بیعت کرتے وقت مرشد کے ہاتھوں میں ہاتھ دینا

سنت ہے۔ کیونکہ بیعت عہد کی پختگی کے لیے ہوگی' نیز دنیا میں بھی لینا ہاتھ سے ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے دعا کے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں کہ گویا ربِ تعالیٰ سے لے رہے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعتِ رضوان کے وقت کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور یہ مشہور ہوا کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا اور جو بیعت لی گئی اور **فَقَالَ رَسول اللہِ صلی اللہ علیه وسلم بِیَدِہٖ الْیُمْنٰی هذایَدُ عثمانَ فَضَرَبَ بِهَا عَلٰی یَدِہٖ**۔ (صحیح بخاری۔ جلد اوّل۔ ص:۵۲۳)

یہ ہاتھ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے۔ پھر اسے اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھا اور عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ لہٰذا اس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ بیعت کرتے وقت جس کی بیعت کر رہا ہے' اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینا سنت ہے۔

اسی طرح مشکوٰۃ شریف میں ہے: "**عَنْ عمرو بن العاص قال ایت النبی صلی اللہ علیه وسلم فَقُلْتُ البسط یَمِیْنَکَ فَلا بَالَیْکَ ضبط یمینهٖ فقبضت یدی**۔ (مشکوٰۃ۔ ص:۱۴)

اسی طرح صفوان بن قدامہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اپنا دستِ مبارک دیجیے تاکہ میں بیعت کروں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک مجھے دیا۔ میں نے عرض کیا: "**یارسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم احبک قَالَ الْمَرْءُ مَعَ من احب** یعنی آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہوگی۔ (مدارج النبوت۔ حصہ اوّل۔ ص:۵۲۰)

یہ تمام حدیثِ مبارکہ اس بات پر دلیل ہیں کہ بیعت کرتے وقت مرشد کے ہاتھوں میں

ہاتھ دینا سنت ہے لیکن جب عورتوں سے بیعت لی جائے تو محض بات سے اور کلام سے لی جائے یا کپڑے سے' ان کا ہاتھ براہِ راست نہ چھوا جائے۔

لہٰذا اس صورت ...... میں اسپیکر پر بیعت کرنا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ بیعت کرتے وقت مرشد کے ہاتھوں میں ہاتھ دینا سنت ہے۔ جو یہاں نہیں ہے اور جو چیز سنت کی رافع ہو وہ بدعت کہلاتی ہے۔

جو پیر اِن آیات اور احادیثِ مبارکہ کے ہوتے ہوئے بھی اس طریقہ (جو سوال میں مذکورہ ہے) بیعت کو ترک نہ کرے تو وہ شرعاً مرشد بننے کا اہل نہیں ہے۔ کیونکہ جب مرشد کا معنی یہ ہے کہ راہِ راست کی طرف لانے والا اور سنت کی راہنمائی کرنے والا۔ جب وہ خود سنت پر عامل نہ ہوگا تو وہ دوسروں کو سنت کی طرف کیسے بلائے گا۔ اَتَامُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ۔ (سورۃ البقرہ:۴۴)

یعنی دوسروں کو نیکی کی تلقین کرتے ہو اور خود گریزاں ہو اور اس لیے بھی بیعت ارادہ کی شرائط میں سے ہے جس کی بیعت کرنی ہو' وہ احکامِ شرع کے خلاف نہ کرتا ہو۔ لیکن آج کل بڑا ترقی کا اور ماڈرن دور جا رہا ہے' ہر چیز کی نقل آ گئی ہے۔ یعنی کہ اصل اور نقل کی پہچان کرنا مشکل ہے۔ گھی' چینی' سونا' چاندی وغیرہ' ہر چیز کی نقل موجود ہے۔ اسی طرح پیر بھی کچھ اصل ہیں اور کچھ نقل اس زمانہ میں موجود ہیں۔ ان کی بھی اصل اور نقل کے اعتبار سے پہچان کرنا بہت مشکل ہے۔ بعض جعلی پیروں نے اپنی دکانوں کو چمکانے کے لیے اچھے پیروں کی بھی پہچان مشکل کر دی۔ یہ جعلی پیر ظاہری طور پر تو بہت صوفی نظر آئیں گے۔ لمبے لمبے بال' مونچھیں ہوں گی اور داڑھیاں بھی ہوں گی لیکن شرابی' کبابی' بھنگی' چرسی وغیرہ ہوتے ہیں۔ نہ ان کا کوئی روزہ' نہ کوئی نماز ہوتی ہے۔ تو وہ دوسروں کو نماز کا کیسے حکم دیں گے۔ اگر ان کو نماز کے پڑھنے کے لیے کچھ کہا جائے تو وہ کہتے ہیں کہ ہماری نمازیں پڑھی ہوئی ہیں یا کہتے ہیں

کہ ہم نمازیں مکہ میں جا کر پڑھتے ہیں۔ ایسے جعلی پیر ملنگ' ترنگ' جو شریعت سے عاری ہوں۔ ان سے بچنا چاہیے بلکہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان کرنی چاہیے۔ قلندر لاہوری نے کیا خوب فرمایا ہے:

اگر اس دنیا میں جینا چاہتا ہو تو کچھ پہچان پیدا کر
لباس خضروی میں پھرتے ہیں ہزاروں راحزن

یعنی کہ جگہ جگہ پیری چمکانے کے لیے پیروں والا جعلی لباس پہن کر روپ بنا کر لوگوں کی لوٹ مار کر رہے ہیں۔ جو خود سنت کا تارک' شریعت سے ناواقف وہ دوسروں کو کیسے سنت پر چلائے گا۔ خود جھوٹ بولتا ہو۔ غیبت کرتا ہو۔ زنا کرتا ہو۔ حسد کرتا ہو۔ کینہ' بغض رکھتا ہو۔ جوا کھیلتا ہو۔ سود کھاتا ہو۔ ایسا پیر کل قیامت کے دن کیا جواب دے گا جو اپنے پیچھے ہزاروں لوگوں کو لگا گمراہ کر رہا ہو گا۔ ایسے پیروں کا تو یہی حال ہو گا کہ کل قیامت کے دن مریدوں کا ہاتھ ہو گا اور جعلی پیروں کا گریباں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اصلی اور نقلی پیر کی پہچان کرنے کی توفیق دے اور اصلی پیر جو اہل اللہ ہیں' ان کا ساتھ عطا فرمائے اور ان کا ادب واحترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اور اگر پہلا مرشد انتقال کر جائے تو اس کے انتقال کے بعد دوسرے مرشد سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مفتی نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ہاں جب پہلے مرشد کا انتقال ہو جائے تو کوئی حرج نہیں کہ دوسرے مرشد سے استفادہ کیا جائے۔ مگر ایک بات ضرور ذہن نشین ہونی چاہیے کہ مرشد وہ ہی ہوسکتا ہے جو عالمِ دین سنی صحیح العقیدہ اور پابندِ شریعت ہو۔ (فتاوی نوریہ۔ جلد اول۔ ص ۵۰۹)

یعنی کہ مرشد کے لیے ضروری ہے کہ وہ عالمِ دین ہو ایسا عالمِ دین جو عربی کتب کے مطالعہ کرنے سے مسئلہ اخذ کرسکتا ہے۔ کیونکہ بات وہی آ گئی کہ اگر مرشد خود مسائل کو جانتا ہو

گا تو مریدین کو مسائل سے آگاہ کرے گا۔ ورنہ مریدین کو مسائل کی راہنمائی نہیں کر سکتا۔ اعلیٰ حضرت نے پیر کی چار شرطیں بیان کی جو اس میں یہ خوبیاں ہوں تو پیر اصل پیر ہوگا۔ پہلی شرط پیر خوبصورت ہو خوب سیرت ہو۔ دوسری' وہ خود کسی کا مرید ہو۔ تیسری' احکامِ شرعی سے واقف ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کا پابند ہو۔ جسے دیکھ کر خدا یاد آئے وہی۔ اللہ کا نیک بندہ پیر بننے کے لائق ہے' جس میں یہ شرطیں نہ ہو وہ پیر نہیں بلکہ پیر کے لباس میں ڈھونگی ہوگا۔ ایک مرتبہ سفر میں میرے پیر و مرشد حضرت فخر ملت نے گاڑی میں فرمایا کہ ایک پیر صاحب کسی کے گھر میں گئے' نماز کے وقت گھر والوں نے مصلیٰ' وضو کے لیے پانی دیا تو پیر کہنے لگا میں مدینہ شریف میں باجماعت نماز پڑھتا ہوں۔ گھر والوں نے جب یہ بات آس پاس کے لوگوں کو بتائی' ان میں ایک نیک آدمی تھا' اس نے کہا یہ جھوٹ بولتا ہے کیونکہ ہمارے اور سعودی ٹائم میں کافی فرق ہے' یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ یہ باجماعت نماز مدینہ میں ادا کرے۔ میرے پیر و مرشد فرمانے لگے کہ ایسے ایسے ڈھونگی بھی دنیا میں ہیں۔

ایک اور بات یاد رکھیں کہ یہ جو دوسرے مرشد سے استفادہ کر سکتا ہے۔ یہ بیعت ارادہ نہیں ہوگی بلکہ بیعت استفادہ ہوگی اور یہ تصور رکھے کہ اس سے فیضان میرے شیخ کی نظرِ کرم ہی کی وجہ سے ہے۔ رہا شیخ کی عدم موجودگی یا بعد مسافت تو جس طرح تحریر تقریر کا نائب بصورت رضا بن سکتی ہے' اسی طرح ضرورت کے تحت خط عمل کا نائب ہو جائے گا۔ شیخ کی موجودگی میں خلافِ سنت فعل بدعت کا موجب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سمجھنے کی توفیق دے۔

وسیلہ

جو اہلِ اللہ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

یعنی کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست قرار دیا ہے۔ ایسے لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا درست ہے۔ کیونکہ جب نیک اعمال کا وسیلہ پیش کیا جاسکتا ہے، وہ بھی پتا نہیں ہوتا کہ مقبول ہوں یا مردود۔ تو جب اللہ کے مقبول بندے ہیں ان کا وسیلہ پیش کرنا بدرجۂ اولیٰ ہے۔ دور فاروقی میں ایک مرتبہ قحط پڑ گیا۔ بارش کی سخت ضرورت تھی اور لوگ جان بلب تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام اور دیگر حضرات کو ساتھ لیا اور بارگاہِ ربوبیت میں دستِ سوال دراز کیا۔ دعائیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) کو وسیلہ بنای اور مالک الملک کی بارگاہ میں عرض کیا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ نَبِیِّنَا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَتَسْقِیْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَیُسْقَوْنَ۔ ”اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کیا کرتے تھے تو تو ہمیں سیراب فرماتا تھا اور اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لے کر آئے ہیں۔ ہمیں سیراب فرما۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہیں سیراب کیا گیا“۔ (بخاری شریف)

صرف یہی نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ویسا ہی سلوک کیا کرتے تھے۔ جیسا ایک بیٹا ایک باپ سے کرتا ہے۔ پس اے لوگو! تم بھی حضور کے طریقہ کو اپناتے ہوئے آپ سے ویسا ہی سلوک کرو“۔

وَاتَّخِذُوْا وَسِیْلَۃَ اِلَی اللہِ۔ (فتح الباری)

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرو۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کو کس قدر محبت تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو محبوب دو جہاں، تاجدار مرسلاں رسول انس و جاں صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ان کے چچا کا وسیلہ پیش کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا نبیوں کے علاوہ دوسرے بزرگوں کا وسیلہ پیش کرنا بھی درست ہے۔ جبکہ آج کل اس طریقہ کو بھی شرک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ وہابی (نجدی) ٹولہ کے معتبر مصنف محمد یحییٰ گوندنوی اس وسیلہ کو شرک کا بہت بڑا ذریعہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اہلِ حدیث کسی کی ذات کے وسیلہ کے قائل نہیں کیونکہ ذات کا وسیلہ اہلِ ایمان کا شیوہ نہیں بلکہ یہ یہودیوں کا عقیدہ ہے''۔ (عقیدہ اہلحدیث)

معاذ اللہ! کیا صحابہ کرام اہلِ ایمان نہیں؟ انہوں نے تو ذات کا وسیلہ پیش کیا ہے۔ صحابہ کرام نے معاذ اللہ یہودیوں کا عقیدہ اپنایا تھا یا اسلام کا؟ اور اللہ تعالیٰ ان کے وسیلہ کو قبول فرما کر انہیں سیراب کیوں کرتا رہا؟ کیا خدا بھی شرک اور یہودیوں کے عقیدہ کی تائید کرتا رہا ہے؟ (نعوذ باللہ من ذالک)

بول کہ لب آزاد ہیں تیرے

تبرکات کی اہمیت

اسی طرح اہل اللہ کے ساتھ نسبت کی جانے والی چیزوں کا ادب و احترام کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ اہل اللہ اللہ کی نشانیاں ہیں تو جس جگہ پر اللہ کی بندی کے پاؤں مبارک لگے ہیں۔ وہ بھی اللہ کی نشانیاں بن گئی ہیں۔ حج کے دوران ان پر دوڑ لگانا ضروری ہے۔ صرف اللہ کی بندی کی ادا تازہ کرنے کے لیے۔ ان پہاڑیوں کا بھی ادب و احترام کرنا ضروری ہوگیا۔ تو جس جگہ اللہ کے بندے سر سے لے کر پاؤں تک موجود ہوں تو اس جگہ کا ادب احترام کرنا بدرجہ اولیٰ بہتر ہے۔ کیونکہ وہاں پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول

ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

بَارَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا۔ ''ہم نے مسجد اقصیٰ کے اردگرد برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نشانیاں دکھائیں''۔ (پ:۱۵)

تو مسجد اقصیٰ کے اردگرد انبیاء علیھم السلام کی قبور ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنی نشانیاں فرمارہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرنا تقویٰ کی بات ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْب۔ ''جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے' بے شک یہ دلوں کے تقویٰ کی بات ہے''۔ (القرآن)

تو اسی آیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اولیاء اللہ کے مزارات کی تعظیم اور ان کا ادب و احترام کرنا ضروری ہے۔ ان کے مزارات پر غیر شرعی افعال کرنا' شراب پینا' بدکاری کرنا' جوا کھیلنا' تاش کھیلنا' کتوں کی لڑائی کرانا' ہجڑوں کا نچانا' یہ سب غیر شرعی افعال ہیں ان سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ ہمارے بزرگانِ دین نے نہ یہ کام کیے ہیں اور نہ ہی ان کی تعلیم دی ہے اور نہ ان قبیح افعال کی تعلیم دیتے ہیں۔ ایک اور بات یہ ہے کہ مزارات پر عورتوں اور مردوں اعراس کے مواقع پر خلط ملط ہونا یہ بھی فتنہ کا باعث بنتا ہے۔ ویسے بھی عورت کی دربار شریف پر کوئی حاضری ضروری نہیں ہے۔ اگر عورت نے مزار شریف پر آنا ہو تو وہ باپردہ ہو کر آئے کیونکہ اگر بے پردہ آئے گی تو صاحب مزار کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ بہرحال عورتوں کو مزاروں پر جانے سے پرہیز کرنا ہی بہتر ہے۔ پیرانِ عظام کو اعراس کے مواقع پر ایسے انتظامات کرنے چاہیے کہ جس سے عورتیں اور مرد علیحدہ علیحدہ جگہوں پر بیٹھ سکیں۔ تو جس طرح اولیاء اللہ کے مزاروں کی تعظیم کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح ہر اس چیز کی بھی تعظیم کرنا چاہیے۔ جس کی نسبت کسی اللہ والے سے ہو جائے۔ جیسا کہ ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ مصطفوی میں عرض کیا: ''یارسول اللہ لَوِ اتَّخَذْنَا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلّٰی۔

(بخاری) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم مقامِ ابراہیم (جس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی) کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیں"۔

ابھی یہ بات عرض کی ہی تھی کہ اللہ رب العزت کی طرف سے حکم آ گیا۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى۔ "مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو!"

چونکہ اس پتھر نے حضرت ابراہیم کے مبارک قدموں کے بوسے لیے تھے جس کی بنا پر وہ متبرک ہو گیا تھا۔ اس کا مقام عام پتھر سے بلند و بالا تھا اور اس کا ادب و احترام لازم و ضروری تھا۔ انبیاء کرام اور نیک لوگوں سے نسبت و سنگت رکھنے والی اشیاء بھی افضل و اعلیٰ ہو جاتی ہیں۔ ان سے برکت حاصل کرنا فاروقی نظریہ ہے۔ جس کی تائید اللہ تعالیٰ نے بھی فرما دی ہے۔

محبوب خدا، حضرت رسول مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے منسوب ہونے والی ہر چیز ممتاز اور منفرد ہو جاتی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مسجد حرام میں حجر اسود کے قریب آئے بوسہ لے کر فرمانے لگے:

اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اِنَّکَ حَجَرٌ لَّا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ ولولا اَنِّی رَأَیْتُ النَّبِیَّ یُقَبِّلُکَ مَا قُبَّلْتُکَ۔ "بے شک میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے۔ تو نہ نقصان دیتا ہے اور نہ نفع اور اگر میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا"۔ (بخاری)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کو گئے۔ جب آپ حجرِ اسود کو بوسہ دینے لگے تو فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے ہرگز نہ چومتا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو چوما۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا: اے امیر المومنین! یہ پتھر نفع و نقصان پہنچا سکتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کو کیسے علم ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی کتاب قرآن سے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ۔ (الآیۃ)

کہ جب نکالا تمہارے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو اور ان سے اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے کہا' ہاں! تو اللہ تعالیٰ نے اس عہد و پیمان کو ایک ورق پر لکھا' اور اس وقت اس حجرِ اسود کی آنکھیں بھی تھیں اور منہ بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو فرمایا منہ کھول اس نے منہ کھول دیا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ ورق جس پر عہد و پیمان لکھا ہوا تھا۔ اس کے منہ میں رکھ دیا اور یہ نگل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے پتھر قیامت کے دن ان کی گواہی دینا۔ جو تیرے پاس اس عہد کو پورا کرتے ہوئے آئیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا' میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قیامت کے دن یہ حجرِ اسود آئے گا اور اس کی زبان بہت تیز ہو گی اور ہر اس شخص کی گواہی دے گا جو ایمان کے ساتھ اس کو چومے گا۔

"فَهُوَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ. يَضُرُّ وَيَنْفَعُ فَقَالَ عُمَرُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ اَنْ اَعِيْشَ فِيْ قَوْمٍ لَسْتَ فِيْهِمْ يَا اَبَا حَسَنٍ۔ تو اے امیر المومنین! یہ اس طرح نفع و نقصان پہنچا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں ایسی قوم میں زندہ رہوں' جس میں اے ابوالحسن آپ نہ ہوں۔

(نصیر در منثورہ۔ ص:۱۴۴۔ ج:۳)

تو اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو سنت محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا پیار تھا کہ دن رات بارگاہِ خداوندی میں شہر محبوب میں موت کی دعائیں مانگا کرتے۔ عرض

کرتے۔

اَللّٰھُمَّ رْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ ۔اے اللہ مجھے اپنے راستے میں مقام شہادت عطا فرما اور اپنے رسول کے شہر (مدینہ) میں مجھے موت عطا فرما۔ (بخاری)

شہر مدینہ تو محبوب کی جائے سکونت ہے۔ خدا تو اس محبوب کے مبارک تلوؤں سے لگنے والی مٹی کی بھی قسمیں ارشاد فرماتا ہے۔ اگر محبوب کے قدم سے مس ہونے والی جگہ کا یہ مقام ہے تو محبوب کے بدن سے مس ہونے والی جگہ (گنبد خضرا) کا مقام کیا ہوگا۔ وہ کس قدر عظمتوں اور برکتوں کا حامل ہوگا۔

ان روایات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ محبوبانِ خدا کی طرف منسوب ہونے والی چیزوں کو مبارک اور متبرک سمجھنا، محبوب کی نسبت کا احترام کرنا، شہر مدینہ میں موت کی تمنا کرنا اور متبرک مقامات پر فوت شدگان کو دفن کرنا درست اور پسندیدہ ہے اور اس کی مخالفت کرنا سراسر نادانی و جہالت ہے۔ اگر متبرک مقامات سے برکت حاصل کرنا شرک اور غلط ہوتا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مندرجہ بالا انداز ہرگز نہ اپناتے۔

(اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے)۔

بڑی شے ہے نسبت مصطفیٰ
ہے وسیلہ اپنی نجات کا

ملفوظات امیر ملت علیہ الرحمہ

آخر میں اعلیٰ حضرت امیر ملت کے چند ملفوظات تحریر کر دیتا ہوں۔

☆☆☆

۷۸۶

۹۲

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ
(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف کوئی وسیلہ تلاش کرو)

ضرورتِ شیخ

یعنی ارشادات

اعلیحضرت امیر ملت قبلہ عالم الحاج حافظ پیر سید جماعت علی شاہ صاحب

محدث علی پوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

''اب یہ مضمون کتابی صورت میں اشاعت پذیر ہوتا ہے
اور اس کو اصلی نام ضرورتِ شیخ سے موسوم کیا جاتا ہے''۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمِ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَ نَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَ الشَّاکِرِیْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَo

امابعد! خداوند تبارک وتعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَ جَاھِدُوْا فِی سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَo

یعنی اے ایمان دارو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف کوئی وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں کوشش کرو تاکہ تم خلاصی پاؤ۔

اس آیت شریفہ میں خداوند تعالیٰ نے تصریح کے ساتھ وسیلہ کی تاکید فرمائی ہے۔ یعنی ایمان اور اتقا اور جہاد فی سبیل اللہ کو جیسا ضروری بیان فرمایا ہے ویسے ہی وسیلہ کا پکڑنا بھی ایک ضروری امر قرار دیا ہے۔ بلکہ نجات کا دارومدار ہی ان چار چیزوں پر رکھا ہے۔ ایمان ہو اتقا ہو جہاد ہو اور وسیلہ اس کے قرب کے حاصل کرنے کے واسطے بھی ہو۔ جب تو نجات ہے ورنہ معاملہ مشکل ہے۔ خداوند تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے اور ان پر نہایت درجہ کی عنایت و مہربانی ہے۔ باوجود ایسے تعلق و الطاف کے پھر بھی ہدایت کا ذریعہ رسولوں اور انبیاء ہی کو ٹھہرایا۔ کیونکہ قدرت نے جہاں اور کائنات کو بغیر قواعد کے نہیں چھوڑا' وہاں ہدایت کے محکمہ میں بھی ایسے قواعد جاری فرمائے کہ ان کی پابندی کے بدون ہدایت کے سلسلہ کا جاری رہنا محال ہے۔ رسول خالق اور مخلوق کے مابین برزخ ہوتا ہے اور اس کو دونوں طرف تعلق ہوتا ہے۔ دل اس کا خداوند کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم مخلوق کے ساتھ۔

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل

خواص اس برزخِ کبریٰ میں تھا حرفِ مُشدد کا

اس برزخ کا یہ کام ہوتا ہے کہ مخلوق کو خالق کی رضا پر ثابت قدم ہونے کی ہدایت کرے۔ عبادت کے قاعدے سکھائے اور خداوند تعالیٰ اور بندوں کے معاملات میں جو بندوں کی سیاہ کاریوں کی وجہ سے پیچیدگیاں واقع ہوگئی ہوں' ان کو دور کر کے معاملات صاف کر دے۔ عہدِ رسالت کے بعد یہ خدمت خلافت کو سپرد ہوئی' جس کو حضرت رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلفاء نے بڑی محنت سے نباہا اور قیامت تک یہی خلفاء رسولؐ اس خدمت کو انجام دیتے رہیں گے۔ اسی گروہ کو گروہِ صوفیاء کرام یا پیرانِ عظام یا مرشدانِ کامل کہا جاتا ہے۔ یہی فرقہ خالق ومخلوق کے درمیان وسیلہ ہے۔ یعنی قربِ الٰہی کے حاصل کرنے کے واسطے ان پیرانِ عظام میں سے کسی ایک کو وسیلہ پکڑنا طالبانِ حق کے لیے ضروری بلکہ فرض ہے۔

آیت مذکور کی تفسیر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد سے نقل کر کے وسیلہ سے مراد ذاتِ مرشد لی ہے اور جن لوگوں نے لفظ وسیلہ کے معنی قرآن شریف یا ذاتِ رسول علیہ السلام اختیار کیے ہیں' ان کو شاہ صاحب یوں جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے اس آیت میں مومنوں کو خطاب کر کے وسیلہ کی تلاش کا حکم فرمایا ہے اور کوئی شخص جب تک قرآن شریف اور جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہ لائے مومن نہیں ہوتا۔ یعنی مومن وہی ہے جو قرآن پاک اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دل سے حق مان چکا ہو۔ پس وہ وسیلہ کوئی اور وجود ہے جس کی تلاش کا بندوں کو قرآن اور رسول اللہ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد حکم ہوتا ہے اور وہ مرشد کی ذات ہے جو بندے کو مولا سے واصل کر دیتا ہے۔ شریعت پر چلنے کا لوگوں کو حکم کرتا ہے۔ بدی سے روک کر لوگوں کو نیکی

کی ہدایت کرتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو دلوں میں قائم کرتا ہے۔ اگر چہ ہادی حقیقی خدا کی ذات ہے' وہ جسے چاہے ہدایت کرے مگر یہ بھی اس حکیم کی حکمت ہے کہ دنیا کو عالمِ اسباب بنا کر ہر ایک چیز کو سلسلۂ اسباب میں ایسا بند کر دیا کہ جیسے کوئی بچہ بغیر ماں باپ کے پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے پیر اور مرید کے تعلق کے بدوں کوئی طالبِ حق خدا سے واصل نہیں ہوسکتا۔ یعنی جب تک کوئی پیرِ کامل دستیاب نہ ہو' ہدایت کا حاصل ہونا محال ہے۔ یہی قاعدہ دنیا کی ہر ایک چیز پر جاری ہے۔ حضرت مولانائے روم فرماتے ہیں:

ہیچ کس از نزد خود چیزے نشد
ہیچ آہن خنجر تیزے نہ شد
ہیچ حلوائی نہ شد استادِ کار
تا کہ شاگردِ شکر ریزے نہ شد
مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزے نہ شد

اِن تین بیتوں کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے آپ کچھ نہیں بن سکتا جیسے کہ کوئی لوہا خواہ کیسے ہی اعلیٰ درجہ کا ہو' لوہار کی محنت کے بغیر تلوار نہیں بن سکتا۔ دوسرے بیت میں یوں فرماتے ہیں کہ تلوار کا بننا تو بڑا کام ہے۔ مٹھائی جو صرف تین چیزوں (گھی' چینی' میدہ) سے بنتی ہے' یہ بھی کسی حلوائی کی شاگردی کے بغیر نہیں بن سکتی۔ تیسرا بیت جو اس غزل کا مقطع ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ مولوی بھی جب تک شمس تبریزی کا غلام نہ بنا' یہ بھی مولائے روم کہلانے کا مستحق نہیں ہوا۔ نتیجہ یہ کہ کوئی بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا کام کسی دوسرے کی امداد کے بغیر اس دنیا میں نہیں ہوسکتا۔ یعنی جب مٹھائی جیسی چیز بھی استاد کے بغیر اس دنیا میں نہیں بن سکتی تو ایک خاک کے پتلے کا مقرب الیہ بن جانا پیر کی امداد کے بغیر کیسے ہوسکتا

ہے۔ دوسری جگہ مولانائے روم اس طرح فرماتے ہیں:

پیر رابگزیں کہ بے پیراں سفر
ہت بس پر آفت وخوف وخطر
کاندریں رہ بارہا تو رفتہ
بے قلا دز اندراں آشفتہ

یعنی جن راہوں میں تو ہر روز چلتا پھرتا ہے' ان میں بدرقہ کی امداد کے بغیر بھول جاتا ہے۔ تو راہِ سلوک جس کو تو نے کبھی نہیں دیکھا اور جس میں نفس جیسے اور شیطان جیسے راہزن موجود ہوں' اس میں کسی راہ نما کی امداد کے بغیر تو کیسے چل سکتا ہے۔ آج کل کا مشاہدہ گواہ ہے کہ اس زمانہ میں وہی لوگ زیادہ تر گمراہ ہوئے جن کا کسی سلسلۂ پیرانِ عظام سے تعلق نہ تھا۔ جن لوگوں نے کسی خلیفہ رسول یعنی پیر کامل کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا اور خود بخود اس راہ کو طے کر کے پیر بننے کی کوشش کی کہ وہ شیطان کا شکار ہوئے اور اس ہدایت شیطانی کے موافق اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آئے دن ایک نیا فرقہ جاری ہوتا ہے اور اس فرقہ کے خیالات بھی نئے ہوتے ہیں۔ قرآن پاک اور احکامِ شریعت کو اپنے خیالات کے موافق بنانا چاہتے ہیں۔ تاویل کے پیرایہ میں تحریفِ قرآنی کرتے ہیں۔ احادیثِ نبویہ کو الٹ پلٹ کر اپنی رائے کے ماتحت بناتے ہیں' خود ہادی بنتے ہیں۔ اس طرح سے خود گمراہ ہوتے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ مرشد برحق کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ان جان و ایمان کے دشمن فریبی راہزنوں سے لوگوں کو بچایا جائے۔

مرشد ایسا ہونا چاہیے جو خود کسی ایسے سلسلۂ پیران میں داخل ہو جو سلسلۂ جنابِ رسول علیہ الصلوۃ والسلام تک جا پہنچتا ہو۔ جیسے تسبیح کے دانے ایک دوسرے سے مل کر ایک سلسلہ کا حکم رکھتے ہیں اور جب ایک ہی امام کے پیچھے ہوتے ہیں یا زنجیر کے حلقے جو ایک دوسرے

سے پیوستہ ہوتے ہیں یا جس طرح ایک چراغ دوسرے چراغ سے روشن کیا جاتا ہے اور اس دوسرے چراغ سے تیسرا اور تیسرے سے چوتھا۔ یہاں تک کہ اگر ایک ہزار چراغ بھی اس سلسلہ سے روشن کیا جاوے تو ہزارویں چراغ کی روشنی میں بھی یہ عام انتقالِ کمی پیدا نہیں کر سکتا۔ یعنی اس چراغ میں بھی وہی نور پایا جائے گا' جو پہلے چراغ میں تھا۔ اسی طرح سے آپ سلسلۂ صوفیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی تصور کر لیں کہ سیدنا جناب رسالت مآب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ کا نور سینہ بسینہ پیرانِ عظام کے سینوں میں منتقل ہو کر آیا ہے۔ یعنی جنابِ حضرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینہ مبارک سے حضرت صدیقِ اکبرؓ کے سینہ میں وہ نور منتقل ہوا۔

حدیث شریف:

مَاصَبَّ اللّٰهُ فِی صَدْرِیْ اِلَّا صَبَبْتُ فِی صَدْرِ اَبِی بَکْرٍ

''جو اللہ نے میرے سینے میں ڈالا' میں نے ابوبکرؓ کے سینہ میں ڈال دیا''۔

اس پر گواہ ہے۔ وہاں سے سلمان فارسیؓ کے سینہ میں۔ وہاں سے حضرت امام قاسمؒ نے لیا۔ غرض اسی سلسلہ سے میرے پیر و مرشد جناب حضرت بابا جی صاحب قبلہ عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سینہ میں ظاہر ہوا۔ بزرگانِ دین کا سلسلہ تار گھروں کے دفتروں کا سا ہے۔ سارے بزرگانِ دین کی روحیں آپس میں تعلق رکھتی ہیں۔ ایک اسٹیشن پر اگر تار ہلا دی جائے تو سب تار گھروں میں وہ خبر جا پہنچتی ہے۔ یعنی ہر ایک صوفی کی روحانی برق کا تعلق تجلیاتِ الٰہی کے سب سے بڑے دفتر یعنی دربار حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم ہوتا ہے۔ باقی سب تار برقیاں اسی صدر کی شاخیں ہیں۔

یا یوں کہو کہ بجلی کی وہ کل جس میں بجلی پیدا کر کے انسان کے جسم میں پہنچائی جاتی ہے۔ اس کل کو گھماؤ اور ایک آدمی کا ہاتھ اس سے لگاؤ وہ بجلی اس آدمی کے جسم میں اثر کرے گی۔

پھر اس آدمی کے ساتھ دوسرا آدمی اور دوسرے آدمی کے ساتھ تیسرا آدمی ہاتھ لگاتے جائیں تو جس قدر انسان اس برقی سلسلہ میں شامل ہوں گے، سب کے جسم میں وہی تاثیر موجود گی جو پہلے آدمی کے بدن میں تھی۔ اسی طرح سے جو لوگ برقِ محمدیؐ کے سلسلہ میں منسلک ہیں، ان کے سینوں میں بھی وہی نورِ عرفان موجود ہے، جو سینۂ نبویؐ میں تھا۔ پس یہ ضروری ہو کہ جو شخص اس نورِ عرفان کا طالب ہو، وہ صوفیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سلاسل میں سے کسی سلسلہ کے پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کرے، ورنہ محروم رہے گا۔ کیونکہ صوفیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سینوں کے بغیر اس نورِ عرفان کا حاصل ہونا محال ہے۔

اس مضمون کی تائید میں تفسیر ''روح البیان'' کی مندرجہ ذیل عبارت کافی شہادت ہے۔

وَاعلم ان الاية الكريمة صرحت بالامر بابتغاء الوسيلة ولا بدمنها التبته فان الوصول الى الله تعالىٰ لا يحصل الا بالوسيله وهى علماء الحقيقة و مشائخ الطريقة. (قال الحافظ) قطع

طے ایں مرحلہ بے ہمرہئی خضر مکن
ظلما تست بترس از خطر گمراہی

والعمل بالنفس يزيد فى وجودها. و اما العمل وفق اشارة المرشد و دلالة الانبياء و الاولياء فيخلصها من الوجود دير فع الحجاب ويوصل الطالب الى رب الارباب قال الشيخ ابو الحسن الشاذلى كنت انا وصاحب لى قد آدينا الى مغارة لطلب الدخول الى الله و اقمنا فيها ونقول يفتح لنا غدا او بعد غد فدخل علينا يوما رجل ذوهيبة وعلمنا انه من اولياء فقلنا له كيف حالك فقال كيف يكون حال من يقول يفتح لنا غدا او بعد غد يا نفس لم لا تعبدين الله لِلّه

ناتقظنا وتینا الی اللہ تعالیٰ و بعد ذالک فتح علینا فلا مدمن قطع التعلق من کل وجہ لینکشف حقیقۃ الحال... الخ

یعنی واضح رہے کہ اس آیت کریمہ نے وسیلہ کے طلب کرنے کی صاف طور سے تصریح کی ہے جس سے ہرگز چارہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وصول الی اللہ بغیر وسیلہ کے ممکن نہیں اور وسیلہ سے علماء حقیقت اور مشائخ طریقت مراد ہیں اور نفس کی رائے پر عمل کرنا اس کے وجود کو زیادہ کرتا ہے۔ لیکن مرشد کے حکم اور انبیاء اور اولیاء کی دلالت پر عمل کرنے سے نفس اپنے اخلاق ذمیمہ سے خلاصی حاصل کر لیتا ہے اور حجاب دور ہو جاتے ہیں اور طالب رب الارباب کے ساتھ واصل ہو جاتا ہے۔ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ نے فرمایا ہے کہ میں ایک رفیق کے ساتھ ایک غار میں طلبِ خدا کے واسطے گیا اور ہم آپس میں گفتگو کرتے تھے کہ ہمارا کام کل یا پرسوں تک ہو جاوے گا۔ ایک دن ایک بارعب آدمی ہمارے پاس آیا اور اس کے بشرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ ولی کامل ہے۔ ہم نے اس کی خدمت میں عرض کی کہ آپ کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ اس شخص کے حال کا کیا پوچھنا جو کہے کہ میرا کام کل یا پرسوں تک بن جاوے گا۔ اے نفس تو اللہ کی بندگی اللہ ہی کے واسطے کیوں نہیں کرتا۔ اس سے ہم ہوشیار ہو گئے اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی۔ اس کے بعد ہماری مشکل آسان ہوگئی۔ بے شک برگزیدہ لوگوں کی صحبت میں شرف عظیم وسعادتِ عظمیٰ حاصل ہوتی ہے۔

انتھا کلامہ

دوسری دلیل

یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:

قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْن۔

''اے ایماندارو! تمہارے پاس خدا کی طرف سے نور اور قرآن آیا ہے''۔
پس قرآن شریف تو ہم علماء ظاہر سے سیکھ سکتے ہیں۔ لیکن وہ نورِ عرفان پیرانِ عظام کی خدمت میں حاضر ہونے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس واسطے کے پیر کی خدمت میں جانا ضروری ہوا''۔

تیسری دلیل

قرآن پاک میں ہے۔
هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيِّنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ۔
''یعنی ہم نے ان پڑھوں میں سے ایک رسول بنا کر بھیجا۔ وہ ان پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو قرآن مجید اور حکمت سکھاتا ہے''۔
ان آیات میں تین چیزوں کا بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک تو آیات کا پڑھنا' دوسرے لوگوں کو پاک بنانا۔ تیسرے کتاب اور حکمت سکھانا۔ تو دل کو پاک کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ ہم کسی ایسے شیخ کی تلاش کریں اور اس کی خدمت میں حاضر ہوں جس کا سینہ نورِ عرفان سے منور ہو اور کسی پیر کی توجہ سے پاک و صاف ہو چکا ہو۔

چوتھی دلیل

دنیا میں چند روز زندگی بسر کرنے کے واسطے انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کوئی ایسا نمونہ پیشِ نظر رکھے جو ہر کام میں اس کی رہنمائی کا نمونہ ہو۔ تا کہ کل امورِ دینی و دنیاوی میں اس کی تقلید کرے۔ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ اس کو دیکھ کر بجا لاسکے۔ چنانچہ فقیر پچھلے سال

دہلی میں تھا۔تو مخدومی مکرمی جناب مولانا مولوی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی کی خدمت میں سوال کیا گیا کہ آیا کسی پیر کے ساتھ بیعت کرنا ضروری ہے یا نہیں۔آپ نے جواب میں فرمایا کہ نہایت ضروری ہے۔پھر محمد زین خاں صاحب اپیل نویس پشاور نے عرض کی۔کہ اس عمل کے ضروری ہونے کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔اس واسطے کہ شیخ مرید کو عملی نمونہ بن کر دکھا دے۔اس پر انہوں نے عرض کی۔کیا آپ کو بھی پیر کی ضرورت ہے۔آپ نے فرمایا۔ہاں! مجھے بھی ضرورت ہے۔مثل مشہور ہے کہ ''نصیحت سے مثال بہتر ہے''۔خداوند پاک کی قدرت کاملہ کو کون نہیں سمجھتا۔جنابِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام کا کون قائل نہیں۔مگر پھر بھی استاذ' والدین کا زیادہ ڈر ہوتا ہے۔ان کا ہر ایک قول اور فعل ہم پر زیادہ اثر پیدا کرتا ہے اور ان سے ڈر بھی زیادہ لگتا ہے۔کیونکہ نمونہ اور مثال پیشِ نظر رہتا ہے۔

پانچویں دلیل

قرآن پاک میں ہے۔

يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ. إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ۔

''یعنی قیامت کے دن مال اور بیٹے نفع نہیں دیں گے مگر اس شخص کو جو ہماری بارگاہ میں سلامت دل لائے گا''۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ قلب دو قسم کا ہوتا ہے۔ایک قلبِ سلیم اور دوسرا قلبِ مریض۔عموماً قلبِ تین بیماریوں میں گرفتار ہوتے ہیں۔ایک تو بیماری حدیث نفس ہے یعنی دل خود بخود باتیں کیے جاوے۔جیسے کوئی آدمی ایک جگہ تنہا بیٹھا ہوا خود بخود باتیں کر رہا ہو۔تو جو آدمی باہر سے آوے گا' اس کو ضرور پاگل تصور کرے گا۔ایسے ہی جو دل خود بخود باتیں کیے جائے اس کو دانا لوگ دیوانہ دل کہتے ہیں۔یہ دیوانگی ہر ایک شخص میں موجود ہے۔اِلّا ماشاء

اللہ

غور کر کے دیکھو کہ کسی وقت جب انسان تنہا بیٹھا ہوا ہو تو دل کی طرف خیال کر کے دیکھے کہ دل کیسے کیسے خیالات دوڑاتا ہے۔ پس یہی بیماری دل کی ہے۔۔۔ حدیث شریف میں اس مرض کے دفعیہ کی تاکید موجود ہے۔ فرمایا:

مَنْ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ وَلَمْ یُحَدِّثْ فِیهِ نَفْسَهٗ۔ (مشکوٰۃ شریف)

''یعنی جو شخص دو رکعت ادا کرے اور ان میں اس کا دل باتیں نہ کرے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں''۔

اس پر ایک مثال صادق آتی ہے کہ ایک دن میاں شیخ چلی صاحب نماز میں کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ میرے پاس دو پیسے ہیں' ان کے انڈے خرید کر بچے نکلواؤں گا۔ اس طرح سے بہت سی مرغیاں ہو جائیں گی' تو ان کو بیچ کر بکریاں لوں گا۔ وہ فروخت کر کے گائے خریدوں گا۔ اس تجارت میں بہت سارو پیہ پیدا کر کے شادی کر لوں گا۔ دو بچے ہوں گے۔ ایک کا نام عبداللہ رکھوں گا' دوسرے کا نام عبدالرحمٰن۔ عبداللہ عربی پڑھ کر مولوی فاضل ہو جائے گا۔ عبدالرحمٰن انگریزی پڑھ کر ایم اے پاس کرے گا۔ عبداللہ عربی لباس رکھے گا اور عبدالرحمٰن انگریزی۔ اس ادھیڑ بن میں تھا کہ پیٹ میں درد اٹھا۔ درد کا اٹھنا تھا کہ وہ خیالی پلاؤ رہا اور نہ وہ نماز۔

اس مثال سے پورے طور سے خیال میں آ سکتا ہے کہ ایک آدمی ایک وقت میں تین کام کر سکتا ہے۔ رکوع سجود بھی کر سکتا ہے۔ قرآن شریف بھی پڑھ سکتا ہے۔ بچے بھی نکلوا سکتا ہے۔ حقیقت میں شیخ چلی ایک نہیں تھا بلکہ دو تھے۔ ایک وہ جو قرآن شریف پڑھ رہا ہے اور دوسرا وہ جو بچے نکلوا رہا ہے۔ جب تک انڈوں بچوں والا شیخ چلی نہ مر جائے' تب تک نماز کامل نہیں ہوتی۔ وہ شیخ چلی والی نماز تو خدا کے ساتھ ٹھٹھا ہے کہ زبان تو اس کی حمد کہہ رہی

ہے اور دل بچے انڈے نکلوا رہا ہے۔

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر
ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

قول مشہور ہے:

مُوتُو قَبْلَ اَنْتَ مُوتُوْا

"یعنی مرنے سے پہلے مر جاؤ"۔

مطلب یہ کہ اس شیخ چلی کو مار ڈالو۔ مگر یہ شیخ چلی نہ تو تلوار سے مرتا ہے اور نہ کسی بندوق سے۔ نہ کسی دوسرے ہتھیار سے۔ بلکہ اس کے مارنے کے واسطے پیر کامل کا ہونا ضروری ہے۔

ہیچ نکشد نفس راجز ظلِ پیر
دامنِ آن نفس کش را سخت گیر

اب واضح رہے کہ شیخ چلی کوئی خاص آدمی نہ تھا۔ بلکہ ہر ایک آدمی اگر غور کرے تو وہی شیخ چلی ہے۔ قرآن پاک میں بھی اس شیخ چلی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ۔

نتیجہ یہ کہ جب تک وہ انڈے بچے نکلوانے والا شیخ چلی مر نہ جائے، تب تک کوئی عبادت ٹھیک نہیں ہوتی۔

دوسری بیماری دل کے خطرات ہیں اور وہ چار قسم کے ہوتے ہیں۔ رحمانی، ملکانی، نفسانی اور شیطانی۔ ان نفسانی اور شیطانی خطرات کے دور کرنے کے واسطے بھی کسی پیرِ کامل کی ضرورت ہے۔ مثلاً کسی آدمی کی نگاہ کسی خوبصورت سے لڑ گئی۔ آنکھیں چار ہوتے ہی اس کی صورت کا نقشہ اس کے دل میں کھنچ گیا۔

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ

صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

عاشق بے چارہ ایسا محوِ نظارہ ہوا کہ دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہ رہی۔

در و دیوار ہمہ آئینہ از کثرتِ شوق
ہر کجامے نگرم روئے ترامے بینم

کی حالت ہوگئی۔ اس مرض کے علاج کے لیے اگر سارے جہان کے ڈاکٹر اور طبیب جمع ہوں تو بھی شفا محال۔

مریضِ عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

مگر خداوندِ عالم نے چند مبارک وجود دنیا میں ایسے بھی پیدا کیے ہیں جو اس درد کی دوا کر سکتے ہیں۔ وہی پیرانِ عظام ہیں۔ کامل پیر کی ایک نظرِ توجہ سے ہی یک لخت وہ سارا خیال دل سے دور ہو سکتا ہے۔ حضرت سید بھیکہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

ست گر ایسا چاہیے جو صقلی گر سا ہو
جنم جنم کے مورچے پل میں دیوے کھو

تیسری بیماری دل کی انتقاش صورِ محسوسات ہے۔ مثلاً ایک شخص نے لاہور کی شاہی مسجد دیکھی ہوئی ہے جس وقت اس کے پاس اس کا ذکر کیا جائے تو فوراً وہ مسجد اس کی آنکھوں کے روبرو دکھائی دینے لگ جائے گی۔ یا اور کوئی خوبصورت نظارہ اگر اس نے دیکھا ہو تو اس کی شکل بھی ذرا سا غور کرنے سے اس کے روبرو آ جائے گی۔ اس بیماری کے دور کرنے کے واسطے بھی ضروری ہے کہ کوئی پیرِ کامل ہو جو لوگوں کے دلوں سے ایسے خیالات دور کر سکے۔ کیونکہ یہ بھی توجہ الی اللہ میں ایک روک ہے۔

چھٹی دلیل

خداوند تعالیٰ نے اس کارخانۂ قدرت میں ہزارہا امراض پیدا کیے اور ان کے واسطے ہزارہا ذرائع صحت مقرر کیے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہر شہر میں صدہا طبیب و ڈاکٹر و دیدک موجود ہیں۔ تو قرین قیاس ہے کہ روحانی اور باطنی بیماریوں کے واسطے بھی ڈاکٹر اور حکیم مقرر کیے ہوں گے۔ ایسے ڈاکٹر یا حبیب خدارسیدہ لوگ ہوتے ہیں، جو پیر یا مرشد کی نام سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔ ان روحانی اطباء کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے اب تک برابر جاری چلا آرہا ہے۔ پس ہم کو اپنے روحانی امراض کا علاج ان روحانی طبیبوں سے ہی کرانا چاہیے۔

ساتویں دلیل

قرآن پاک میں ہے۔ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥ یعنی گناہوں کی شامت سے ان کے دلوں پر زنگار لگے ہوئے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب آدمی ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہی کا نقطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر جب دوسرا گناہ اس سے سرزد ہوتا ہے تو دوسرا نقطہ پڑ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کثرت کے ساتھ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس پر کوئی وعظ یا کلام اثر نہیں کرتا۔ جب زنگار زیادہ ہو جاتا ہے تو وہ نہ تو علم سے دور ہو سکتا ہے اور نہ وعظ سے۔ بلکہ علماء ظاہر بھی اس زنگار کے دور کرنے سے عاری ہیں۔ اس کے صیقل کرنے کے لیے کسی مرشد کامل کی توجہ درکار ہے۔ جو اپنی توجہ باطنی سے اس زنگار کو دور کر کے دل کو نورانی اور روشن بنا دیوے۔ مولانائے غنیمت کنجاہی کا قول ہے۔

که اے بے پیر تا پیرت بنا شد
ہوائے معصیت دل مے خراشد

آٹھویں دلیل

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اولوالعزم پیغمبر تھے' ان کو علم لدنی سیکھنے کے واسطے خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ چنانچہ یہ قصہ قرآنِ پاک کے پارہ پندرہ کے اخیر میں موجود ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسرارِ لدنی سے بے خبر تھے۔ حضرتِ خضر علیہ السلام کے کشتی توڑنے' لڑکا مار ڈالنے اور دیوار بے اُجرت بنانے کے اسرار پر واقف نہ ہونے کی وجہ سے اعتراض کرتے گئے۔ حضرت خضرؑ بار بار اعتراض سے منع فرماتے گئے لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اعتراض سے باز نہ آئے تو حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہہ دیا کہ آپ اعتراض سے باز نہیں آتے۔ اس واسطے آپ میرے ساتھ رہ نہیں سکتے۔

هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ کہہ کر رخصت کر دیا۔ اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر کے کاموں پر مرید کا اعتراض کرنا اس کی محرومیت کی دلیل ہے۔ مرید صادق وہ ہے جو پیر کے حکم کو بے دلیل مان لے۔

بے سجادہ رنگین کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا

چنانچہ جناب بھیکھ علیہ الرحمۃ کے احوال میں لکھا ہے کہ آپ ایک روز مجلسِ عام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کئی چوروں نے آ کر ایک بیل اور ایک بوری غلہ گندم آپ کی نذر کر کے بیان کیا کہ ہم لوگ چور ہیں۔ آج چوری کو گئے تھے اور تو کچھ دستیاب نہ ہوا۔ صرف ایک بیل پر ایک گون (بوری) گندم لدی ہوئی ملی۔ چونکہ ہم بہت آدمی ہیں اور مال مسروقہ تھوڑا ہے۔ ہر ایک کو پورا نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے ہم وہ مال آپ کی نذر کرتے ہیں۔ آپ نے قبول فرما کر درویشوں کو حکم دیا کہ بیل کو ذبح کر لو' مگر اس کا سر اور چمڑا الگ رکھنا اور غلہ گندم پسوا کر روٹیاں پکوا کر درویشوں کو کھلا دو۔ مگر دو سیر گندم بچا کر رکھ لینا۔ حسب الحکم کھانا تیار ہوا۔

درویشوں کو کھلایا گیا۔ مگر ان درویشوں میں سے دو شخص صاحبِ علم بھی تھے' انہوں نے نہ کھایا اور کہا کہ حضرت صاحب نے ستم کیا کہ چوری کا مال درویشوں کو کھلا دیا۔ ہم تو یہ حرام مال نہ کھائیں گے۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو دو شخصوں نے حضرت صاحب کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ ہم نے اپنی کھیتی کا چالیسواں حصہ آپ کی نذر کیا تھا اور ایک بیل بھی آپ کی نیت کا رکھا ہوا تھا۔ آج وہ غلہ اس بیل پر لاد کر ہم آپ کے دربار میں لا رہے تھے کہ راہ میں وہ مال چوروں نے لوٹ لیا۔ اب آپ فرمائیں کہ وہ نذر ادا ہو گئی یا نہیں یا ہمارے ذمہ ہے۔ آپ نے وہ غلہ بچا رکھا تھا اور وہ بیل کا چمڑا اور سر منگوا کر ان کو دکھلایا اور فرمایا کہ یہ پہچانو یہ غلہ اور بیل تمہارا ہے یا کسی اور کا؟

انہوں نے فوراً پہچان لیا اور عرض کی کہ بس یہی بیل تھا اور یہی غلہ۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری نذر ادا ہو گئی۔ تم ذرا دیر کر کے لاتے' درویش بھوکے تھے۔ چوروں نے جلدی پہنچا دیا۔ بعد ازاں آپ نے ان مولوی صاحبان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ ناحق فقیر پر بدگمانی کر کے بھوکے رہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے بندوں کو حرام کبھی نہیں کھلاتا۔ یہ واقعہ دیکھ کر مولوی صاحبان بہت پشیمان ہو کر معافی کے خواہاں ہوئے۔

اصل میں ایمان یہی ہے کہ بغیر دلیل کے ہو۔ اصحابِ عشرہ مبشرہ کو دیکھو کہ جن کو اس مخبرِ صادق علیہ السلام نے زندگی ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی' ان کا ایمان ایسا مقبول ہوا کہ سارے اصحاب سے ممتاز ہو گئے۔ انہوں نے کون سا عمل کیا تھا۔ صرف یہی کہ نماز کے درمیان حضرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف منہ پھیرا تو انہوں نے بھی بلا حجت ساتھ ہی منہ پھیر لیے۔ یہی عمل مقبول ہو گیا۔ شیخ کے حکم پر دلیل طلب کرنا' طالبِ صادق کی شان سے دور ہے۔ حکم مان لینا ایمان ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر علیہ السلام کی خدمت میں جانے سے بھی پیر کی خدمت میں حاضر

ہونا ثابت ہوتا ہے۔

نویں دلیل

نجات کا دارومدار، محبتِ حضرتِ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام پر رکھا گیا ہے۔ وہ محبت نہ تو کتابوں میں مل سکتی ہے اور نہ علماء ظاہر سے۔ اس کے حاصل ہونے کے واسطے پیرِ کامل کی صحبت ضرور ہے۔ یہ محبت کا سبق استادِ روحانی کے سوا دوسرا کوئی پڑھا نہیں سکتا۔

عقل کے مدرسہ سے اٹھ عشق کے میکدہ میں آ
جامِ فناء بیخودی ہم نے پیا جو ہو سو ہو
مدرسہ میں عاشقوں کے جس کی بسم اللہ ہو
اس کا پہلا ہی سبق یار و فنا فی اللہ ہو

دسویں دلیل

قرآن پاک میں وارد ہے: **يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ** ۔ یعنی قیامت کے دن ہر ایک آدمی اپنے بھائی، ماں، باپ اور بیٹی سے بھاگ جاوے گا۔ ہر ایک اپنے حال میں گرفتار ہوگا۔ سب رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ مگر پیر اور مرشد کا رشتہ ایسا ہے کہ وہاں بھی قائم رہے گا۔ یہ رشتہ روزِ ازل سے مقرر ہوا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

الارواح جنود مجندة من تعارف منها ایتلف ومن تناکو منها اختلف

یعنی ارواح ایک لشکر جمع شدہ تھا، روزِ اول میں تمام ارواح (جو حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت تک پیدا ہوں گے) اکٹھے کیے گئے تھے۔ ان میں جس جس روح نے ایک دوسرے کو

پہچان لیا۔ ان روحوں کو دنیا میں بھی آ کر ضرور محبت ہو گی۔ اور جن روحوں کی وہاں شناخت نہیں ہوئی' ان کی دنیا میں آ کر بھی ہرگز محبت نہ ہو گی۔ اگرچہ وہ دونوں بھائی بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔ قیامت کے دن ماں' باپ' بیٹا' بیٹی' بھائی' عورت جن کے رحموں کے تعلقات ہیں' وہ سب ٹوٹ جائیں گے مگر روحوں کے تعلقات ضرور قائم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ o

سب دوست اس دن دشمن ہو جائیں گے مگر وہ لوگ جو پرہیزگار ہیں' وہ اس روز بھی دوست ہی رہیں گے۔ محبتِ روحانی وہی محبت ہے جو پیر کو مرید کے ساتھ ہوتی ہے یا مرید کو پیر کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ محبت روحانی حشر کے دن ذریعۂ نجات ہو گی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حشر کے دن کوئی سایہ عرش کے سایہ کے سوا نہ ہو گا۔ اس سایہ میں سات قسم کے لوگوں کو جگہ دی جائے گی۔ جن میں سے دو آدمی وہ ہوں گے جن کی دنیا میں محض اللہ کے واسطے محبت رہی ہو۔ پس اس حدیث کی رو سے پیر اور مرید دونوں زیرِ سایۂ عرش ہوں گے۔ تو ضروری ہے کہ کوئی پیر اختیار کیا جائے جس کی محبت کے ذریعہ سے آفتابِ حشر سے امان ملے۔

گیارہویں دلیل

قرآن پاک میں وارد ہے: اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوَاهُ ۔یعنی کیا تو نے اس آدمی کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ بعض آدمیوں کو کسی نہ کسی چیز کے ساتھ ایسی محبت ہوتی ہے کہ اس محبت میں محو ہو کر خدا کو بھول جاتے ہیں۔ کوئی زر کا طالب ہے' کوئی شیدائے زن۔ کوئی فرزند پر مفتون۔ کوئی دیوانہ عزت و ثروت۔ کسی کو زمین سے عشق ہے اور کسی کو گھوڑی سے۔ یہ لوگ محبت میں ایسے غرق ہو جاتے ہیں کہ اصل طالب ہاتھ

سے جاتا رہتا ہے۔

عشق بیٹھا ہے دل میں اِک بت کا
ہم تو یارو خدا کے بھی نہ رہے

اس پر ایک حکایت یاد آئی ہے' وہ ہدیۂ احباب ہے۔ ''ایک دن میرے استاد جناب حضرت مولانا مولوی فیض الحسن صاحب مرحوم سہارنپوری نے فرمایا کہ ایک مولوی صاحب نے ایک درویش سے پوچھا کہ کہیے شاہ صاحب کیسے گزرتی ہے؟''

درویش نے جواب دیا۔ ''جب سے میرا خدا مر گیا ہے بہت اچھی گزرتی ہے۔ اس پر مولوی صاحب سخت برافروختہ ہوئے اور فرمایا۔ خدا واحد قیوم حی لایموت ہے۔ وہ ہرگز نہیں مرے گا۔ تو مرتد ہو گیا ہے۔ کافر ہو گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس پر درویش نے آہستہ سے پوچھا کہ مولوی صاحب آپ نے قرآن شریف بھی پڑھا ہے! درویش نے کہا۔ مولوی صاحب یہ آیت بھی پڑھی ہے!

اَفَرَ اَيْتُ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ۔

مولوی صاحب میری مراد تو یہ تھی کہ جب سے میری خواہشیں مر گئی ہیں' میری زندگی بہت اچھی گزرتی ہے۔ اس پر مولوی صاحب سخت نادم ہو کر معافی کے خواستگار ہوئے کہ مجھے اس آیت کے معنی معلوم نہیں تھے۔ توحید اور معرفت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ جل شانہٗ کو خدائے برحق مان کر اس کے ساتھ دل لگایا جاوے اور باقی خواہشاتِ نفسانی دل سے دور کر دی جاویں۔

دل آرا میکہ داری دل دربند
وگر چشم از ہمہ عالم فروبند

بات تو درست یہی ہے کہ دل ماسوائے اللہ سے پاک ہو جاوے مگر یہ کام یعنی دنیا کی

محبت کا دل سے دور کر دینا آسان کام نہیں ہے۔ اس کے واسطے سب سے اول ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جس کا دل دنیا کی محبت سے بالکل سرد ہو چکا ہو۔ پھر اس شخص کی خدمت میں رہنا اور اس کی اطاعت کرنا لازمی ٹھہرایا جائے تو دل دنیا کی محبتوں سے پاک ہو سکتا ہے۔

بارہویں دلیل

قرآن پاک میں وارد ہے:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔

"خبردار! دلوں کا چین اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہے"۔

حقیقت میں سب نعمتوں سے بڑی نعمت اطمینانِ قلب ہے اور وہ سوائے ذکرِ الٰہی کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ مال و دولت' جاہ و ثروت تو دل کی مزید پریشانی کا باعث ہوتے ہیں۔

چندانکہ غنی تراند محتاج تراند

ایک ہندی شاعر لکھتا ہے:

نہ سکھ گھوڑی پالکی نہ سکھ چڑ کی چھاتھ
یا سکھ ہر کی بھگت میں یا سکھ ستیاں ناتھ

یعنی اطمینانِ قلب میں نے گھوڑے کی سواری میں تلاش کیا' نہ ملا۔ پالکی میں تلاش کیا' نہ ملا۔ تختِ شاہی پر بھی اطمینان نصیب نہ ہوا اور ملا تو وہی ہی جگہ ملا' ذکرِ الٰہی یا صحبتِ صوفیاء۔ اطمینان کے طالب کو ان لوگوں یعنی صوفیائے کرام کی صحبت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اطمینانِ قلب انہی کے حصے میں ۔ ے کر رکھا ہے۔ ان کے سوا کوئی بھی دوسرا اس اطمینانِ قلب کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ ان کی خدمت اکبر اعظم ہے۔

تیرہویں دلیل

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُھُمْ ۔یعنی ایماندار وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے پاس اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جائیں۔اس آیت سے ایماندار کا نشان یہی پایا جاتا ہے کہ اللہ کی یاد سے اس کا دل متاثر ہو۔جلال خداوندی اس کے دل کو ڈرا دے۔عظمتِ الٰہی اس کے دل میں جاگزیں ہو۔پس ان صفات کا حاصل کرنا مومن بننے کے واسطے ہر ایک آدمی کو ضروری ہے۔اور ظاہر ہے کہ یہ صفات انہی لوگوں سے مل سکتی ہے جو خود ان کے مشتاق ہوں اور ان اوصاف سے متصف ہو چکے ہوں۔وہ سوائے صوفیائے عظام کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

چودہویں دلیل

قرآنِ پاک میں مقربین کا خطاب مقربانِ بارگاہِ الٰہی کو عطا ہوا ہے اور درجہ مقربین کا علماءِ ظاہر سے نہایت اعلیٰ فرمایا گیا ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ بادشاہ کے نوکر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک تو چوکیدار جن کا فرض ہے کہ غل مچاتے رہیں اور لوگوں کو آگاہ کرتے رہیں تاکہ چور گھروں میں داخل نہ ہونے پاویں۔یہ چوکیدار اگر چپ رہیں تو مجرم ہوتے ہیں۔یہ چوکیدر تو علماءِ ظاہر کو تصور کرو کہ ان کا فرض ہے کہ لوگوں کو وعظ وکلام سنا کر دین کی اشاعت میں ساعی رہیں۔اگر عالم چپکا ہو رہے تو حدیث شریف میں اس کو گونگا شیطان کہا گیا ہے۔

دوسرے خاص نوکر ہوتے ہیں جو راز سے بھی واقف ہوتے ہیں اور خلوتِ خانہ شاہی میں بھی حاضر رہتے ہیں۔بہت سے پوشیدہ امور ان پر واضح ہوتے ہیں۔مگر ان کو زبان ہلانا بالکل روانہیں۔اگر اظہار کر دیں تو ویسے ہی مجرم ہیں جیسے کہ چوکیدار خاموشی پر۔(سعدی)

ستاند زباں از رقیبانِ راز

کہ تا رازِ سلطاں نگویند باز

یعنی جو راز سے آگاہ نوکر ہوتے ہیں، ان کی زبانیں شاہی حکم سے کاٹ لی جاتی ہیں تا کہ راز افشان نہ ہو جائے۔ یہی صوفیاے کرام گروہ مقربین ہیں جن کی زبان خاموش ہے۔ دیکھو جامیؒ کیا فرماتے ہیں:

در عالم عشق بے زبانی اولٰے

در عالم فقر بے نشانی اولٰے

یہ رموز پڑھنے لکھنے نہیں آ سکتے۔ شعر

ایں مدرسہ نیست جائے آواز

از سینہ بہ سینہ مے رسد راز

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں۔ ع

ایں علم درسی بنوو در سینہ بود

یہی علم لدنی یا علم باطن اصل اصولِ دین و ایمان ہے۔ بغیر صحبتِ کاملاں یہ نعمتِ عظمٰی نصیب نہیں ہو سکتی۔ یہ حدیث دل ہے۔

حدیثِ سر دل دل داند و بس

زبان و لب ازاں آگہ نباشد

برزباں قفل است در دل راز ہا

لب خموش و دل پر از آواز ہا

یہ علم معرفت یا نورِ ایمان صرف صاحب دلوں کی خدمت سے مل سکتا ہے۔

پندرہویں دلیل

آیتِ شریفہ مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّئَاتِھِمْ حَسَنَاتٍ یعنی جو کوئی توبہ کرے اور ایمان لاوے اور عمل نیک کرے تو اس کے سابقہ گناہوں کو ہم نیکیوں سے بدل دیتے ہیں۔ اس آیت سے مولا کی اپنی بندوں پر انتہا درجہ کی مہربانی اور عنایت ثابت ہوتی ہے کہ ایک توبہ سے سارے پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور توبہ از روئے دیانت تو کافی ہے کہ بندہ خدا کو حاضر جان کر اس کے روبرو اپنے گناہ کا اقرار کرے اور اس سے معافی طلب کرے مگر از روئے شریعت ضروری ہے کہ توبہ کا ایک گواہ بھی ہو چونکہ گواہ کی وقعت پر بڑا کچھ دار و مدار ہے اس واسطے توبہ کا گواہ ایک کامل مردِ خدا ہونا چاہیے اور وہی مرشد ہوتا ہے۔

سولہویں دلیل

آیتِ شریفہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا یعنی اس نفس کو جس نے پاک کر لیا وہ خلاصی پا گیا۔ اب نفس کے پاک کرنے کے واسطے اس کے اخلاقِ ذمیمہ کو دور کرنا ضروری ہے تا کہ وہ نیک اخلاق سیکھے اور نفس بالطبع سختی پسند ہے۔ صلح سے اس کا راہ پر آ جانا ممکن نہیں تو کوئی پاک وجود تلاش کرنا چاہیے جس کا نفس پاک ہو چکا ہو اس کی صحبت کو لازم پکڑنا اور اپنی کل خواہشوں کو اس کی خواہش کے ماتحت کر دینا چاہیے۔ نفس اس کے رعب اور وحشت سے چھپا رہے گا اور خباثت کو ظاہر نہ کرے گا بلکہ آہستہ آہستہ اس دوسرے پاک شدہ نفس کی عادات حاصل کرنے لگے گا۔ اس آدمی کو جس کی صحبت میں بیٹھ کر نفس پاک ہوتا ہے مرشد کہتے ہیں۔ اور مرشد کی جس قدر اخلاقِ ذمیمہ کے دور کرنے میں ضرورت ہے۔ اس سے زیادہ اخلاقِ حسنہ کے پیدا کرنے کے واسطے احتیاج ہے۔ غرض شیخ کے بغیر انسان کا نہ تو

نفس پاک ہوسکتا ہے اور نہ انسان، انسان بن سکتا ہے۔

سترہویں دلیل

آیتِ شریفہ **هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ**۔ اسم ظاہر کا پرتو تو علم ظاہر پرتو ہوتا ہے اور اسم باطن کا پرتو علم باطن پر۔ علم ظاہر تو علمائے ظاہر سے حاصل کر سکتے ہیں مگر علمِ باطن کہاں سے حاصل کریں۔ وہ علمائے باطن سے حاصل ہوسکتا ہے اور وہ لوگ۔ کہ کاشفانِ اسرارِ غیب ہیں۔ محرمِ راز ہیں اسرار باطنی سے آگاہ ہیں۔ ان کو علمائے باطن بھی کہتے ہیں۔

اٹھارہویں دلیل

آیتِ شریفہ **فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** ٥ اگر کوئی مسئلہ نہ تم جانتے ہو اور نہ کوئی اور تم کو بتلا سکے تو تم ایسے مسائل اہلِ ذکر سے پوچھ لیا کرو۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ علمائے باطن کے سینہ میں وہ جوہر ہے جس سے علمائے ظاہر و دیگر بنی نوع انسان بے خبر ہیں کیونکہ خداوند نے اس آیت میں اہلِ علم کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اہلِ ذکر یعنی اربابِ باطن فرمایا ہے اور اربابِ باطن کے دل نور عرفاں اور علمِ لدنی کے خزانے ہیں۔ اربابِ باطن کو ہی پیرانِ طریقت کہا جاتا ہے۔

انیسویں دلیل

نفس امارہ کا ثبوت قرآنِ پاک میں موجود ہے۔ اس کی امارگی سے انبیاء علیھم السلام نالاں ہیں۔ پس نفس جو فطرتی شریر ہے خود بخود شرارت کو نہیں چھوڑ سکتا، جب تک اس کا

باقاعدہ علاج کرنے والے لوگ وہی پیرانِ عظام ہیں، جن کے علاج سے یہ نفسِ امّارہ لوّامہ اور مطمئنہ کے درجے تک پہنچ جاتا ہے اور شرارتیں چھوڑ کر مطیع فرمان بن جاتا ہے۔ ان کی خدمت غنیمت جاننی چاہیے۔

بیسویں دلیل

آیتِ شریفہ تَعْرُجُ الْمَلٰئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ۔ فرشتے اور روح اس کی طرف ایک ایسے دن میں عروج کرتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے تو اس آیت کے حکم سے راہِ سلوک پچاس ہزار سالہ راہ ہوئی، جس کو طے کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو اعمال صالح کی اور دوسرے توجہ شیخ کی۔ اس کی مثال یوں سمجھ لو کہ ایک دریا ہے جس کو ہم کو عبور کرنا ہے۔ اس عبور کے دو قاعدے ہیں۔ ایک تو بذریعہ پیراکی کے اور دوسرے بذریعہ کشتی کے۔ پیراکی سیکھنے اور پھر اس دریائے پچاس ہزار سالہ راہ کو عبور کرنے کے واسطے عمر طویل چاہیے۔ اور اس امت کی عمریں ساٹھ اور ستّر سال کی ہیں اور ان ساٹھ سالوں میں ہزار مشاغل دنیوی بھی ساتھ ہیں۔ تو ہم کیونکر بیکراں سمندر کو تیر کر عبور کر سکتے ہیں۔ ہم کو وہی دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ یعنی کسی ملّاح کشتی بان کے حوالے اپنے آپ کو کر دیں اور جس طرح سے وہ پار لے جانا چاہے، ہم اس میں چون و چرا نہ کریں۔

جنابِ مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ کسی کا یہ راستہ دس سال میں طے ہو جاتا ہے، کسی کا بیس سال میں۔ کسی کا ایک سال میں اور کسی کا ایک ماہ میں۔ بلکہ ایک دن، ایک گھنٹہ میں بھی طے ہو جاتا ہے۔ مگر عنایت اور توجہ پیر پر سب کچھ موقوف ہے۔

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق

گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

اکیسویں دلیل

آیت شریفہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ذْکُرُو اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا۔ دوسری آیت۔ رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔ تیسری آیت۔ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّ الذّٰکِرٰتِ اَعَدَ اللّٰہُ لَھُمْ مَغْفِرَۃً اَجْرًا عَظِیْمًا۔ خداوند تعالیٰ نے اول آیت میں کثرت سے ذکر کرنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ دوسری آیت میں اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ سودا خریدنے یا بیچنے اور دنیا کا کاروبار کرنے میں بھی ہماری یاد سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ تیسری آیت میں ذاکروں کے واسطے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ علاوہ اس کے بے شمار آیتیں قرآن شریف میں ذاکروں کی تعریف میں بیان فرمائی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ ذکر بڑی نعمت ہے۔ اس امر کا فیصلہ میرے پیر و مرشد و کعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت مفصل فرمایا ہے۔

ذکر نہیں حاصل ہوسکتا جب تک دل نہ ہو اور دل نہیں مل سکتا جب تک پیر نہ ہو اور پیر نہیں مل سکتا جب تک کہ اِرادت نہ ہو۔ اس فیصلہ میں بھی مریدی طلب اور شیخ کی ضرورت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ذکر کی حلاوت اور اس کے انوار سے ہرگز دل نورانی نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ کوئی شیخ باقاعدہ ذکر کی تلقین کرے۔ تو شیخ کا ہونا نہایت ضروری ہوا جو کہ دل کو قابل بنا دے پھر اس میں ذکر کا بیج بوئے۔

بائیسویں دلیل

آیت شریفہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَا اَوْلَادُکُمْ عَنْ

ذِکْرِ اللہ یعنی اے ایماندارو! ایسا نہ ہو کہ مال اور اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل کریں۔ اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے سب سے زیادہ خطرناک رکاوٹیں جو ذاکر کو ذکرِ الٰہی میں پیش آتی ہیں، بیان فرمائی ہیں۔ ایک تو حبِ مال اور دوسری حبِ اولاد۔ ہم جہاں تک دیکھتے ہیں لوگ اولاد اور مال کے دُھن میں کچھ ایسے لگے ہوئے ہیں کہ ذکرِ الٰہی سے بالکل غافل ہو گئے ہیں۔ اس خسارہ سے وہ شخص جو کسی پیر کی صحبت میں رہ چکا ہو، خوب واقف ہوتا ہے۔ غفلت چونکہ ایک خطرناک مرض ہوتا ہے، اس واسطے اس سے بچنے کے واسطے ضروری ہے کہ کسی مرشد کی تلاش کی جائے۔

تیئیسویں دلیل

آیتِ شریفہ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَتَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ۔ اگرچہ مفسرین نے اس آیت میں لفظ امانت کی تفسیر میں بہت سی بحث کی ہے اور مختلف تفسیریں بیان فرمائی ہیں لیکن سب سے زیادہ مناسب اس کی تفسیر یہی ہے کہ امانت سے معرفت الٰہی مراد ہو۔ جو صوفیائے کرام کے سینے میں وسیعت ہوئی ہے۔ شعر

نخوتے دارند کبرے چوں شہاں
خادمی خواہند از اہلِ جہاں

وہ امانت یہاں سے حاصل کرنی چاہیے:

تا نباشی پیش شاں راکع دوتو
کے سپارند آں امانت رابہ تو

یہ علم نیا جاری نہیں ہوا بلکہ حضرت آدم سے لے کر اسی طرح چلا آ رہا ہے اور اس کے

عالم بھی ہوتے چلے آئے ہیں اور یہ عالمِ خدا کی رحمت کے نشان تا دورِ قیامت زمین پر موجود رہیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تو اس علم نے یہاں تک ترقی کی کہ یہ لوگ دنیا کے سب تعلقات چھوڑ کر اسی کی طرف ہو رہے اور رہبان بن کر پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنی عمریں گزار دیں۔ لیکن حضور انور سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو درجہ اعتدال پر رکھ کر حکم دیا کہ خدا کی یاد میں بندگانِ خدا کے حقوق کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے۔ اللہ کو یاد کرو دل سے اور مخلوق کو خدمت کرو جسم سے۔ چنانچہ ابھی صوفیائے کرام کا یہی دستور العمل ہے۔

از دروں شو آشناؤ و زبردں بیگانہ وش
ایں چنیں زیبا روش کمتر بود اندر جہاں

اور جس قدر غوث، قطب، ولی، ابدال، اوتاد آج تک گزرے ہیں، وہ سب کسی نہ کسی کی غلامی کر کے اس مرتبہ اعلیٰ کو پہنچے ہیں۔ پس مرتبہ قرب حاصل کرنے کے واسطے کسی پیر کے ساتھ بیعت کرنا لازمی ہے اور اس کے بغیر جہالت اور گمراہی ہے۔ ہدایت پانے کا یہی قاعدہ مقرر ہے اور یہی قیامت تک رہے گا۔

گم آں شد کہ دنبالِ راعی نہ رفت

چوبیسویں دلیل

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ یعنی جو کوئی اللہ کی یاد سے غافل ہو جائے، اس کے ساتھ ساتھ ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ شیطان نے دل پر پنجہ مارا ہوا ہے۔ جب کوئی آدمی پیر کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو وہ پنجہ دل سے چھٹ جاتا ہے۔ بعد ازاں جب

تک پیر کی توجہ مرید کی طرف رہے یا مرید کا خیال پیر کی جانب رہے، تب تک اس مرید کا دل اس شیطان کے دخل سے محفوظ رہتا ہے۔ چونکہ انسان کے سارے جسم کی اصلاح صرف دل کی اصلاح پر موقوف ہے، تو لازم ہے کہ کسی پیر کے ساتھ تعلق پیدا کر کے دل کو پنجۂ شیطان سے نجات دی جاوے تاکہ دل کی اصلاح ہو جائے۔

پچیسویں دلیل

آیتِ شریفہ **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ** یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادق لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔ صادقین سے مراد صوفیائے کرام ہیں۔ ان کی صحبت میں رہ کر ہم خوفِ خدا اپنے دلوں میں پاتے ہیں۔ گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ قرآن شریف کی اس آیت میں بھی انہیں لوگوں کی صحبت کی طرف اشارہ ہے چنانچہ تفسیر روح البیان میں اس آیت کے ضمن میں مرقوم ہے۔ **الصّٰدِقون هم المرشدون الى طريق الوصول فاذا كان السالک فی جملة احبابهم ومن زمرة الخدّام فی عتبه بابهم فقد بلغ حبهم وتربيتهم وقوة ولا يتهم الى مراتب فی السير الى الله وترک ماسواه قال حضرة شيخ الاكبر قدس سره الاطهران لم تجر فعالک على مراد غيرک لم يصح لک انتقال عن هوالک ولوجاهدت نفسک فاذا وجدت من يحصل فی نفسک حرمتهٖ فاخدمه دكن فيها بين يديه يصرفک كيف يشاء لاتدبير لک فی نفسک معه تعش سعيداً مباداً رالا متثال ما يامرک به وينهک عنه فان امرک بالحرفة فاحترف عن امره لاعن هوالک وان امرک بالقعود فاقعد. عن امره لا عن هواک فهوا عرف بمصالحک منک فاسع يا نبی فی طلب شيخ يرشدک ولعصيم خواطرک حتى تكمل**

ذاتک بالوجود الالٰھی وحینئذ تدبر نفسک بالوجود الکشفی الاعتصامی کذافی مواقع النجوم۔

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش
سست در زیدہ چو آب و گل مباش
چوں گرفتن پیرہن تسلیم شو
ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو
شیخ راکہ پیشوا و رہبر است
گر مریدے امتحاں کرد اوخر است

خلاصہ

اس کا یہ ہے کہ پیرِ صادق وہ لوگ کون ہیں۔ وہی جو وصول الی اللہ کے طریق کے راہنما اور ہادی ہیں۔ اگر سالک راہ حق ان کے محبوں میں داخل ہو جائے اور ان کے آستانوں کا خادم بن جائے تو اس کو ان کی محبت حاصل ہو جائے گی اور ان کی تربیت میں داخل ہو کے سیر الی اللہ اور ترک ماسوا کے درجہ تک پہنچ جائے گا۔

حضرت شیخ الاکبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تو اپنے تمام امور کو کسی پاک وجود کے امر کے تحت نہ کرے تو تو ہوا وحرص کے جال سے کبھی رہائی نہیں پا سکتا۔ اگرچہ تو ساری عمر اپنے نفس کو مجاہدہ میں ڈالے رکھے۔ پس اگر تجھے کوئی ایسا وجود مل جائے جس کی تعظیم وتکریم تو اپنے نفس میں پاوے تو اس کی خدمت لازم پکڑ اور اپنے آپ کو اس کے سپرد اس طرح کر دے جیسے کہ میت غسال (میت نہلانے والا) کے بس میں ہوتی ہے۔ وہ جس طرح چاہے تجھ میں تصرف کرے تو اپنی سب تدبیریں چھوڑ دے۔ تیرا اس کے ساتھ زندگی بسر کرنا عین

سعادت ہے۔ تجھے چاہیے کہ جو وہ امر کرے فوراً اس کی تکمیل کرے اور جس بات سے وہ منع کرے۔ فوراً اس کی تکمیل کرے اور جس بات سے وہ منع کرے اس سے ہٹ جاوے اگر تجھ کو کسب کے لیے حکم کرے تو اس کے حکم سے کسب کر۔ نہ اپنی خواہش نفسانی سے اور اگر تجھ کو کسب کے ترک کرنے کا حکم دے تو اس کے حکم سے ترک کر۔ نہ اپنی مرضی سے۔ کیونکہ وہ تیری بہتریوں کو تجھ سے بہتر جانتا ہے۔ پس اے فرزند! شیخ کی تلاش میں سعی کر جو تیری راہنمائی کرے اور تجھ کو خواطر نفسانی سے بچائے۔ یہاں تک کہ تیرا نفس پاک ہو جائے۔ (الخ انتہی کلامہ)

چھبیسویں دلیل

آیتِ شریفہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ یعنی اے رسولؐ جو لوگ تمہارے ساتھ بیعت کرتے ہیں، وہ ہماری بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہوتا ہے۔ سلسلہ میں بیعت کرنے سے یہ مراد ہے کہ جب کوئی طالب کسی پیر کے ساتھ بیعت کرتا ہے۔ یعنی پیر کے ہاتھ دیتا ہے تو اس کا ہاتھ سلسلہ میں مسلسل ہو کر جنابِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک ہاتھ میں پہنچتا ہے۔ جب کہ طالبِ ہاتھ رسول علیہ السلام کے ہاتھ میں دے چکا تو اس آیت کے حکم سے اس کا ہاتھ خدا کے دستِ قدرت میں پہنچ گیا۔ یہ ادنیٰ فائدہ پیر سلسلہ کے ساتھ بیعت کرنے کا ہے۔

ستائیسویں دلیل

تَعْبُدُ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ یعنی اپنے پروردگار کی اس طرح عبادت کر گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ مرتبہ تجھ کو حاصل نہیں تو یہ سمجھ لے کہ

خدا تجھ کو دیکھتا ہے۔ یہ حدیث شریف صحیح مسلم اور بخاری میں موجود ہے۔ شریعت میں اس کو علم احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس علم احسان کے حاصل کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ کسی پیر و مرشد کے پاس حاضر ہو کر ان سے یہ علم حاصل کیا جائے۔ اس لیے ان کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہے۔

اٹھائیسویں دلیل

حدیث شریف' حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے' حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلُ اللّٰہُ صلی اللہ علیہ وسلم دعائِیْنَ فَاِمَّا اَحَدُ ھُمَا فَبَثَثْتُ فِیْکُمْ وَ اَمَّا الْاٰخر لو بثثت فِیْکُمْ لقطَعِ ھٰذا الباحوم منی یعنی مجری الطعام۔ (رواہ البخاری)

یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو علم لیے۔ ان میں سے ایک تو تمہارے درمیان ظاہر کرتا ہوں اور اگر دوسرا ظاہر کروں تو میرا گلا کاٹا جائے۔

اس حدیث شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک علمِ باطنی۔ دوسرا علم ظاہری تو علم ظاہری تو عالمان ظاہری سے حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن علم باطن عالمانِ باطنی کی خدمت میں حاضر ہونے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ضرور ہوا کہ کسی پیر طریقت کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ علم بھی حاصل کیا جائے۔ اگرچہ اس قحط الرجال کے زمانہ میں بندگانِ خدا کا ملنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ مگر طلب اور جستجو ضروری ہے جو شخص طالبِ راہ خدا ہو گا خداوندِ کریم اس کو خود رہبر ملا دے گا۔ فقیر کے دل میں ایک دن خیال آیا کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ صدہا بندگانِ خدا یعنی اولیاء اللہ زمانہ میں موجود تھے۔ جہاں طالبانِ علم باطن چاہتے تھے' حاضر ہو کر مستفیض ہو سکتے تھے اور اپنی مشکلات کے واسطے دعائیں کرا سکتے تھے اور اپنی کسی مصیبت کے وقت ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے دل کی تسلی و اطمینان کر سکتے تھے اور ایک یہ زمانہ ہے کہ لاہور اور

امرتسر جیسے بڑے بڑے شہروں میں جن میں قریباً تین لاکھ کی آبادی ہے' ایک بھی ایسا متبرک وجود بظاہر معلوم نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ایک دن بھی آ جائے گا کہ مختلف مقامات میں جو بعض متبرک وجود عالمانِ علم باطن موجود ہیں' ان کا بھی ملنا مشکل ہو جائے گا۔ طالبانِ خدا کو لازم ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر علم باطن حاصل کر کے راہِ نجات حاصل کریں اور حوادثات زمانہ سے محفوظ ہیں۔

اگر در خانہ کس است یک حرف بس است

انتیسویں دلیل

حضرت ابو ہررہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

علم دو ہیں' ایک وہ علم ہے جو زبان کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور ایک وہ جو دل سے تعلق رکھتا ہے اور فرمایا کہ یہ دوسرا یعنی دل کا علم زیادہ نافع اور ضروری ہے۔ پس زبان کا علم تو عالمانِ ظاہر سے حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر علمِ قلب سوائے عالمانِ باطن یعنی صوفیائے کرام کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے ان کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہے۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علم خوانی ہم طریقش قولی است
حرف آموزی طریقش فعلی است
فقر خواہی او بصحبت قائم است
نے زبانت کارے آید نہ دست

مختصر یہ کہ علمی قلبی یعنی علمِ باطن صوفیائے کرام کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان کی

صحبت سے مستفیض ہونے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسی کا نام فقر یعنی علمِ باطن ہے جس کے واسطے پیر و مرشد کی ضرورت ہے۔

اب میں مضمون کو دعا پر ختم کرتا ہوں۔ خداوند کریم اس کو قبول فرمائے اور اس مختصر تحریر کو طالبانِ خدا کی ہدایت کا ذریعہ بنا دے۔ بحرمت النبی وآلہ والامجاد۔

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (البقرہ)

بے شک اللہ اچھے کام کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (الحجرات)

بلاشبہ سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

یارانِ طریقت یا پیر بھائی

تصنیف لطیف

اعلیٰ حضرت قبلہ عالم امیر ملت مولانا الحاج الحافظ پیر

سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُهٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ

اگرچہ مضمون نویسی میری عادت نہیں۔ مگر محض اس خیال سے کہ کوئی بندۂ خدا یہ تحریر پڑھ کر عامل ہو تو بحکم اَلدَّالُ عَلَی الۡخَیۡرِ کَفَاعِلِهٖ اس کا عمل میرے لیے باعثِ نجات ہو جائے۔ اور نیز اس لیے کہ:

مگر صاحب دلے روزے برحمت
کند در حق ایں مسکین دعائے

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ

یارانِ طریقت یا پیر بھائی

تمام دنیا میں سب سے زیادہ خوش نصیب وہ مومن لوگ ہیں جو اس مبارک نام سے پکارے جاتے ہیں اور درحقیقت مبارک زندگی بھی انہی لوگوں کی ہے، جو اس بھائی بننے کا اور رشتہ روحانی و محبت و یکجہتی حقیقی ایک دوسرے کے ساتھ قائم کرنے کا فخر حاصل ہے۔ یہ وہ رشتۂ الفت ہے جو بلاتمیز رنگ و قوم و ملک کے سب مومنوں کو ایک رنگی حقیقی و اصلی رنگ دیتا ہے۔ خواہ وہ ہندی ہوں یا سندھی، ترکی ہوں یا تاتاری، چینی ہوں یا بخاری، عربی ہوں یا قندھاری، افغانی ہوں یا ایرانی اور خواہ پہلے وہ وہابی ہوں یا نیچری، بیدین ہوں یا لامذہب ہندو

ہوں یا عیسائی' آریہ ہوں یا دہریہ۔ الغرض اس رنگ کے چڑھنے پر وہ سب آپس میں شیر وشکر ہو کر اس طرح راحت و آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں کہ ان میں سے غیرت بالکل اٹھ جاتی ہے' بلکہ بھائیوں سے بڑھ کر ایک دوسرے کو عزیز جاننے لگتے ہیں۔

یہاں پر مجھے ایک بات یاد آئی ہے۔ ایک دن علی پور سیداں میں جو فقیر کا مولد و مسکن ہے۔ میرے دلی مخلص و محبّ اخی فی الدین قاضی حسن الدین صاحب جو آج کل الاخ متصل ملک تبت میں نائب تحصیلدار ہیں۔ شیخ فضل دین و شیخ دین محمد کو ایک برتن میں کھانا کھاتے ہوئے دیکھ کر بہت متعجب ہو کر یہ کہنے لگے کہ سبحان اللہ وبحمدہٖ کیسی مولا کی شان ہے اور یہ صرف صوفیائے کرام کی صحبت کی تاثیر ہے کہ ایسے دو شخص جو ایک دوسرے سے سخت متنفر بلکہ ایک دوسرے کے سایہ سے پرہیز کرنے والے تھے' وہ دو قالب و یک جان ہو کر اپنے مادر زاد بھائیوں سے بھی بڑھ کر عزیز بن رہے ہیں اور ایک دوسرے پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ شیخ دین محمد تو پہلے ہندو قوم برہمن کا پنڈت تھا اور شیخ فضل دین پہلے خاکروب یعنی چوہڑا تھا۔

درحقیقت دیکھا جاوے تو یہ اسلام کی بڑی خوبی ہے کہ دو کو ایک کر دیتا ہے اور عشقِ حقیقی کی چاٹ لگا کر سب اختلافات کو مٹا دیتا ہے اور ان کا حال ڈنکے کی چوٹ اشتہار دیتا ہے کہ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ یہ سب ایمان اور عشق کا ظہور ہے۔ کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے:

یہ ایک حال ہے جو صوفیوں کی صحبت اور خدمت کی برکت سے عطا ہوتا ہے۔ اس صحبت کیمیا خاصیت کا وہ مرتبہ اور اثر ہے کہ محال کو بھی ممکن کر دیتا ہے۔ یہ تو کہتے ہی ہیں کہ العَادَۃ لَایُرَدّ اِلّا بِالْمَوْت۔ مصرعہ:

جبل گردد جبلت بر نہ گرد

مگر

آہن کہ بپارس آشنا شد
فی الحال بصورت طلاشد
خورشید نظر چو کرد برسنگ
تحقیق کہ لعل بے بہا شد

اسی طرح انسان ناقص جومثل آہن ہے۔ انسان کامل کی صحبت سے کردار بناتا ہے' سارا کھوٹ اس کا نکل جاتا ہے۔ یا یوں سمجھیے کہ خورشید ولایت محمدیؐ صوفی کامل عاشق اللہ کی منور میں یہ اثر ہے کہ نفسِ امّارہ کے سنگین قلعہ پر اگر وہ پڑ جاتی ہے تو اس کو لعلِ بے بہا بنا دیتی ہے۔ ہر چند کہ چشمِ ظاہر بین اور ناقص حال میں محال معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آہن سا سیاہ باطن کندن بن جائے۔ یا کوئی پتھر کا دل لعل بے بہا بن جائے مگر اس حال کا ممکن ہونا یا جبلت اور عادت کا بدلنا اگر ہوسکتا ہے تو صرف ایک صوفیائے کرام کی صحبت کی برکت سے ہی ہوسکتا ہے' جس کے صدہا مشاہدے ہم ہر روز اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ صدہا فاسق اور فاجر' ہزارہا ڈاکو اور رہزن اور بے دین اپنی بد عادتوں کو چھوڑ کر ایک صوفی کی صحبت سے سچے دین دار عابد و زاہد و متقی پرہیزگار بن جاتے ہیں۔

اِدھر آ تجھ کو دکھادوں میں گلستاں اُن کا

ہاں اگر روزِ روشن میں کوئی شخص اپنی آنکھیں بند کر کے سورج کی روشنی سے انکار کرے تو اس کی ہٹ دھرمی کا کیا علاج:

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

بعض لوگ اپنی خرابیٔ حال سے یہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایسے صاحبِ تاثیر کہاں

ہیں۔ اگر ہیں تو ہم کو دکھا دو۔ یہ ان کا کہنا محض غلط خیال اور خرابی حال کا اثر ہے۔ اگر ان کو آنکھیں ہوں اور استعداد ان کے دیکھنے کی ہو تو یہ صاحبانِ تاثیر ان کو جا بجا نظر آویں۔ مگر ان کی عقیدت نہیں استعداد نہیں پھر کیا نظر آویں۔ صوفیائے کرام کا وہ زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور روز بروز ترقی کرتا رہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تو اس گروہ نے یہاں تک ترقی کی کہ یہ لوگ تارک الدنیا ہو کر پہاڑوں اور جنگلوں میں جا کر رہتے اور مجردانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ جناب حضرتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف فرما کر بآوازِ بلند فرمایا کہ لا رھبانیۃ فی الاسلام (اسلام میں رہبانیت نہیں ہے) اس مجردانہ زندگی کو چھوڑ کر عیال داری و معاشرت کا حکم فرمایا۔ اس سے صوفیت اور صفائے باطن کی تکمیل ہوئی، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری متابعت کی۔ اس میں عشقِ الٰہی ظاہر ہوا۔ اس کی روشنی نے تمام دل اور باطن کو منور کر دیا اور صوفی لقب پایا۔

یہ گروہ صوفیائے کرام قیامت تک قائم رہے گا۔ انہی کی برکت سے زمین و آسمان کا قیام ہے۔ کیونکہ یہی لوگ زمین کی میخیں ہیں، جن سے زمین ٹھیری ہوئی ہے اور یہی لوگ آسمان کے ستون ہیں، جن کی برکت سے آسمان قائم ہے۔ جس دن زمین پر یہ لوگ نہ ہوں گے، اس دن نہ یہ زمین ہوگی نہ آسمان۔ دیکھو حدیث شریف وَبِهِمْ يُرْزَقُوْنَ وَ بِهِمْ يُمْطَرُوْنَ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انہی پاک وجودوں کی برکت سے تم زندگی بسر کرتے ہو۔ انہی کے وسیلے تم پر بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔ انہی کے طفیل سے تم کو رزق دیا جاتا ہے۔ دیکھو قرآن شریف کا نواں پارہ کا اخیر وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ یعنی ہم ان کو عذاب نہیں کریں گے۔ جب تک کہ آپ ان میں تشریف رکھیں گے۔ کافر بھی اگر بچے ہوئے ہیں تو انہی پاک وجودوں کے طفیل سے۔

ایک دن لاہور میں ایک شخص نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ الزناء یخرج البناء یعنی جس

جگہ زنا ہوتا ہے وہ جگہ نیست و نابود ہو جاتی ہے۔ سچ ہے یا نہیں؟ اور ہم دیکھتے ہیں کہ لاہور کے انارکلی، لنڈہ و ہٹی بازار میں باوجود اس قدر زنا ہونے کے لاہور کئی میلوں تک بڑھ رہا ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ تم رات کو میرے پاس سونا پھر اس بات کا جواب دیں گے۔ جب آدھی رات گزری تو اس بزرگ نے اٹھ کر وضو کر کے تہجد کی نماز ادا کی، پھر سایل کو فرمایا، اٹھ تو بھی نماز پڑھ۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو فرمایا دیکھ! جب اس نے نگاہ کی تو دیکھا کہ کئی ہزار آدمی تہجد میں کھڑے تھے۔ اس وقت انہوں نے فرمایا کہ اگر پہلی رات اس قدر زنا ہوتا ہے تو پچھلی رات ہزاروں آدمی تہجد بھی پڑھتے ہیں۔ لاہور جو دن بدن ترقی کرتا جارا ہے تو انہی پاک دموں کی برکت سے ہے جو اس وقت گرم بستروں کو چھوڑ کر اپنے مولا کی یاد میں کھڑے ہیں۔ اگر یہ لوگ نہ ہوتے اور صرف وہ پہلی رات والے ہی ہوتے تو اب تک لاہور کی بیخ و بنیاد اکھڑ گئی ہوتی۔ فقط۔

اور دوسری صحیح مسلم کی حدیث شریف ا میں وارد ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ ایک شخص بھی اللہ اللہ کہنے والا یعنی صوفی دنیا میں موجود ہوگا۔

باقی رہی یہ بات کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ صوفی ہمارے حال پر خود بخود نظرِ عنایت کیوں نہیں کرتے اور ہمارے پاس آ کر کیوں نہیں کہتے کہ آؤ تمہیں سیدھا راستہ یا راہِ حق دکھائیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ وہ تو دنیا میں اس لیے پیدا کیے گئے ہیں کہ لوگوں کو راہِ راست دکھلاویں اور برے کاموں سے ہٹا کر لوگوں کو نیک کاموں کی ہدایت کریں۔ مگر کن کو دکھاویں؟ ان کو جو ان کی خدمت میں طالب صادق بن کر ارادت صادق لے کر آئیں۔ آپ اتنا تو خیال فرمائیں کہ بیمار ڈاکٹر طبیب کے پاس جاتا ہے یا ڈاکٹر بیمار کے گھر آتا ہے۔ دنیا میں تو قدیم سے یہ قاعدہ چلا آیا ہے کہ بیمار ڈاکٹر یا حکیم کے پاس جاتا ہے اور علاج کی درخواست کرتا ہے۔ اگر کوئی ڈاکٹر یا حکیم گلی کوچے میں یہ آواز دیتا پھرے کہ آؤ میں حکیم اور

طبیب ہوں تو ایسے حکیم کو ہر شخص دیوانہ یا پاگل تصور کرے گا اور یہ کہے گا کہ اگر یہ ڈاکٹر یا حکیم ہے تو بیمار خود اس کے پاس چلے آویں گے۔ اس کو پکارتے پھرنے کی کیا ضرورت ہے اور درحقیقت بات بھی یہی ہے کہ جب تک بیمار علاج کی خود درخواست نہ کرے' ڈاکٹر کے خود بخود علاج کرنے سے فائدہ بھی نہیں ہوتا۔ دیکھو اس کے متعلق صوفیوں کے سرتاج حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے کیسا عمدہ اور پرمعنی مختصر فیصلہ فرمایا ہے:

آب کم جو تشنگی آور بدست

تا ببارد آبت از بالاؤ پست

یعنی پانی کی تلاش مت کر اور پیاس حاصل کر۔ اگر تمہیں پیاس ہوگئی تو نیچے (یعنی زمین سے) اور اوپر (آسمان سے) پانی تمہیں مل جائے گا اور جب ایک شخص کو پیاس ہی نہیں تو تم شربت میں برف ڈال کر بھی جبراً اس کے منہ میں ڈالو تو وہ باہر پھینک دے گا کیونکہ اس کو پیاس ہی نہیں۔ اور سخت پیاس کے وقت اگر کسی شخص کو گرم پانی بھی مل جاوے تو اس کو آبِ حیات سمجھ کر پی لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے اعتراض کرنے والوں کو پیاس ہی نہیں۔ ورنہ پانی تو بہت ہے۔ یعنی صوفی تو بہت ہیں طالب نہیں۔

ایک شخص نے کسی بزرگ کو خط لکھا کہ کوئی پیر کامل ہو تو بتایئے۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ پیر کامل تو میں بہت بتا دوں گا آپ کوئی طالبِ صادق ہو تو بتایئے۔

میرے قبلہ و کعبہ ہادی و مولی حضرت پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے دادا صاحب حضرت خواجہ محمد فیض اللہ صاحب تیراہی قدس سرہ کوہاٹ میں حضرت خواجہ آدم بنوری مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت حاجی بہادر رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی مجددی کی مسجد میں حوض کے کنارے تشریف فرما تھے۔ پاس سے ایک شخص شاہزادہ میاں نامی نے ٹھنڈی آہ بھر کر آوازِ بلند کہا۔ آہ افسوس مردِ کامل کوئی نظر نہیں آتا۔ تین مرتبہ یہی کلمہ کہا۔ چوتھی مرتبہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ

علیہ نے فرمایا کہ میاں کامل تو بہت ہیں، طالب کوئی نہیں۔ تب شہزادہ میاں نے اپنے زخمی پاؤں کے اوپر سے کپڑا کھول کر عرض کی کہ حضرت طالب تو میں ہوں تیس سال سے کسی صوفی کامل کی تلاش میں جنگلوں اور پہاڑوں میں دن رات خاک چھان کر پتھروں کی ٹھوکروں سے اپنے پاؤں زخمی کر چکا ہوں۔ تب حضرت باباجی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی حالتِ زار پر رحم آیا اور حجرے میں لے جا کر اس کو پچھلے گناہوں سے توبہ استغفار پڑھا کر ذکر کی تلقین کی۔ پھر وہی شہزادہ میاں آپ کی صحبت کی برکت سے ایسے کامل ہوئے کہ ہزارہا مخلوقِ خدا ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئی۔

میرے حضرت قبلہ وکعبہ ہادی ومولیٰ روحی فداہ باباجی فقیر محمد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے اپنے بچپن کی عمر میں ان شہزادہ میاں کو دیکھا۔ ان کی یہ حالت تھی کہ وہ عشاء کی نماز پڑھ کر حبس دم کر کے مراقبہ میں بیٹھ جاتے اور تہجد کی نماز کے وقت دم چھوڑتے۔ اس حبس دم کی وجہ سے ان کی پسلیوں میں سوراخ ہو گئے تھے۔ جب وہ سردی کے دنوں میں اپنا کرتہ اتار کر دھوپ میں ڈالتے تھے تو ان کے وہ سوراخ دیکھ کر ان میں ہم انگلیاں ڈال کر خوش طبعی کیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا سعدی رحمۃ اللہ علیہ جن کی فضیلت اور لیاقت کی ساری دنیا کے فلاسفر شہادت دیتے ہیں، کیا خوب فرماتے ہیں:

تا ارادت نیاری چیزے نبری

یعنی جب تک تو ارادت صادقہ لے کر کسی صوفی کے پاس نہ جائے گا، وہاں سے کچھ بھی نہ لائے گا۔ کیونکہ مثلاً پانی کا دریا بہہ رہا ہے، اس میں سے ہر ایک شخص اپنے اپنے ظرف کے مطابق پانی لے جاتا ہے یا پیاسا اپنی پیاس بھر پانی پی لیتا ہے۔ مگر ایک شخص کے پاس برتن ہی نہیں۔ وہ پانی کس چیز میں لے گا۔ یا ایک شخص گرم گرم پلاؤ تقسیم کر رہا ہے۔ برتن والے

برتن لے گئے اور گرم پلاؤ لے آئے۔ انہوں نے اس کھانے سے خود بھی پیٹ بھرا اور دوسروں کو بھی دیا۔ ایک شخص نے جس کے پاس برتن ہی نہیں تھا' ان کے دیکھا دیکھی اپنے دونوں ہاتھ اس تقسیم کرنے والے کے آگے پھیلا دیے۔ اس نے پلاؤ کی گرم گرم رکابی اس کے ہاتھوں پر الٹ دی۔ گرمی سے اس کے ہاتھ جلے تو اس نے پلاؤ کو نیچے پھینک دیا۔ اب اس بیوقوف نے برتن نہ ہونے کے سبب دو نقصان کیے۔ ایک تو اس نے کھانے کو ضائع کیا جو کسی دوسرے بھوکے آدمی کے کام آتا۔ دوسرے اپنا ہاتھ جلا کر چلا آیا۔ ایسے بیوقوف آدمی جن کے پاس برتن نہ ہو اپنا بھی نقصان کرتے ہیں اور دوسروں کا بھی۔

یاد رہے کہ صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہ کا گروہ تا دورِ قیامت قائم رہے گا اور ان کے فیض سے ہمیشہ مخلوقِ خدا مستفیض ہوتی رہے گی۔ باقی رہی یہ بات کہ صوفی میں کن کن اوصاف و علامات کا ہونا ضروری ہے اور ان کی کیا شناخت ہے۔ فقیر کسی دوسرے مضمون میں لکھے گا۔ یہ تو میں کہاں کا کہاں جا نکلا۔ اب میں اپنے مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

''یارانِ طریقت یا پیر بھائی'' کن کو کہا جاتا ہے؟ ان دو شخصوں کو کہا جاتا ہے جو ایک پیر کے ملنے والے اور ہم صحبت ہوں' ان کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں یارانِ طریقت یا پیر بھائی کہتے ہیں اور یہ مبارک خطاب اور پیارا نام یعنی یارانِ طریقت یا پیر بھائی ہر ایک مومن حاصل کر سکتا ہے۔ خواہ وہ کسی قوم' کسی ملک کا ہو۔ بمجرد پیر کی خدمت میں جانے اور پیر کا ہاتھ پکڑ کر اس کے ساتھ نسبت قائم کرنے سے اس شخص کو جو پہلے ہی بالکل اجنبی اور ناآشنا تھا۔ اپنے پیر اور پیر بھائیوں کے ساتھ اس قدر محبت حقیقی اور رشتۂ الفت قائم ہو جاتا ہے کہ اس کو اپنے مادر زاد بھائیوں سے بھی نہیں ہوتی۔ وہ اپنے سب پرانے خیالات اور عادتیں جو اس کا ملکہ راسخہ ہو چکی تھیں' سب کو یکبارگی چھوڑ کر محبت پیر سے اپنے پیر کے رنگ میں ایسا رنگا جاتا ہے کہ گویا اس کی کایا پلٹ گئی اور جس کسی نے اس کو پیر و مرشد کے ملنے سے پہلے دیکھا ہوا ہو'

اس کی اس وقت کایا پلٹی ہوئی دیکھ کر اس کے پہچاننے سے ششدر و حیران رہ جاتا ہے اور زبانِ حال سے کہہ اٹھتا ہے۔ مصرعہ:

کہ کل کون تھا آج کیا ہو گیا یہ

رباعی

آدمی را بچشم حال نگر
وز خیالات دی پری بگزر
خون بود است نافۂ تاتار
سنگ بودہ است ابتدائے گہر

پھر اس شخص کو اگر پیر کی صحبت میسر رہے تو اس کی روحانی حالت دن بدن ترقی کرتی جاتی ہے۔ خواہ اس کو خبر ہو یا نہ ہو۔

سوال: مجھے یہ تو بتایئے کہ پیر کے پاس جانے سے کیا فائدہ؟

جواب: اس کے بہت فائدے ہیں: (۱) پیر کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کرنے سے پچھلے سارے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ (۲) جتنے گناہ اعمال نامے میں ہوتے ہیں، وہ مٹ کر اتنی ہی نیکیاں اس کے اعمال نامے میں لکھی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص کے ایک لاکھ گناہ تھے تو پیر کی خدمت میں حاضر ہونے سے وہ لاکھ گناہ بخشے گئے اور ایک لاکھ نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی گئیں۔ دیکھو قرآن شریف انیسواں پارہ پہلے پاؤ کا تیسرا رکوع فَاُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنَا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص توبہ کرتا ہے ہم اس کے گناہوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ (۳) تائب نے اپنی توبہ کا ایک نیک آدمی کو گواہ بنا لیا جو کل قیامت کے دن اس کی توبہ کا گواہ ہو گا۔ (۴) ایک نئی روحانی زندگی اس کو نصیب ہو جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے عمر کی بابت سوال کیا کہ حضرت آپ کی عمر کتنے سال ہے۔ آپ نے فرمایا دو سال' سائل نے عرض کیا کہ آپ تو بوڑھے اور ضعیف العمر ہیں۔ مسلمانوں کے امام ہو کر جھوٹ بولتے ہیں' فرمایا جھوٹ نہیں بولتا' دو برس ہوئے جب میں نے اپنے پیر و مرشد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ درحقیقت یہی دو برس میری عمر سے پہلے ۶۸ برس عمر ضائع ہوئے۔ اس وقت امام صاحب کی ۷۰ برس کی عمر تھی۔

پیر کے پاس جا کر مرید کی جو حالت ہوتی ہے' اس کی درست مثال یہ ہے کہ جیسے ایک درخت کو دوسرے درخت کے ساتھ پیوند لگ جاتا ہے تو پیوندی درخت کو پہلے اگر چھوٹا پھل لگتا تھا تو اب پیوند لگنے سے اس کو بڑا پھل لگنا شروع ہوتا ہے' یا پہلے وہ کھٹے کا درخت تھا تو پیوند کے بعد اس کو سنگترے اور مالٹے لگنے شروع ہو جاتے ہیں۔ گو درخت جڑ سے وہی رہتا ہے مگر مرید کی روحانی حالت تبدیل ہو جاتی ہے۔ یعنی اگر مرید پہلے تند خو تھا تو وہ اب رحمدل' نیک خو' متحمل' بردبار بن جاتا ہے اور اپنی پہلی عادتوں کو وہ چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے نفس میں جو جو شیطانی صفات تھیں' وہ سب رحمانی صفات کے ساتھ تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اس کے دل سے حرص' طول امل' غصہ' جھوٹ' بغض' حسد' ریا' تکبر' فخر و غرور نکل جاتے ہیں اور ان کے بدلے صبر و شکر' قناعت' یقین' تفویض' توکل' تحمل' رضا' رجا وغیرہ نیک صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

اس کو اس طرح سے سمجھ لو کہ ایک برتن میں پانی بھرا ہے۔ ہم اس کو نکال کر اس برتن میں دودھ ڈالنا چاہتے ہیں تو اس کے دو قاعدے ہو سکتے ہیں۔ اول تو یہ کہ اس گلاس کو یکبارگی الٹا کر پانی نکال دیا جاوے اور پھر اس میں دودھ بھر دیا جاوے۔ جیسے میرے پیر و مرشد سیدنا و مولانا حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب نقشبندی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مہمانوں کو کھانا کھلانے پر خوش ہو کر ایک نانبائی کو فرمایا' مانگ کیا مانگتا ہے! نانبائی نے عرض کی حضرت مجھے اپنے جیسا بنا دو۔ آپ نے اس کو حجرے میں لے جا کر توجہ اتحادی القاء کی۔ باہر نکلے تو دونوں

کی ایک شکل وصورت تھی۔ کوئی دیکھنے والا حضرت خواجہ صاحب و نانبائی میں تمیز نہ کر سکتا تھا کہ ان میں خواجہ صاحب کون ہیں اور نانبائی کون، دونوں میں فرق صرف اتنا تھا کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ تو ہوش میں تھے اور نانبائی بیہوش، آخر تین دن کے بعد وہ اسی بیہوشی میں مر گیا۔

درحقیقت یہ کام ہر ایک صوفی کا نہیں، سوائے کاملین اور مکملین کے ہر ایک شخص ایسا نہیں کر سکتا جو خواجہ صاحب نے کیا، یعنی یکبارگی اس پانی کو الٹ کر اس میں دودھ بھر دیا۔ ہاں البتہ جو دوسرا قاعدہ ہے اس پر سب صوفی عمل کر سکتے ہیں، وہ یہ ہے کہ جس گلاس میں پانی پڑا ہوا ہو اس میں ایک ایک قطرہ دودھ کا ڈالتے جاویں تو جتنے قطرے دودھ کے پڑتے جاویں گے، اتنے ہی قطرے پانی کے نکلتے جاویں گے۔ آخر الامر ایک وقت ایسا آجاوے گا کہ اس گلاس میں صرف دودھ ہی دودھ رہ جائے گا اور پانی کا نام بھی نہیں رہے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ لَنْ یَلِجَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا مَنْ وُلِدَ مَرَّتَیْنِ کہ جب تک آدمی دو دفعہ پیدا نہ ہو تب تک اس کے لیے رحمت کے دروازے نہیں کھلتے، لوگوں نے عرض کی کہ حضرت لوگ تو ایک دفعہ پیدا ہوتے ہیں، دو مرتبہ کون پیدا ہوتا ہے؟ فرمایا ایک پیدائش وہ ہے جس دن بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور دوسری پیدائش اس دن ہوتی ہے جس دن انسان کسی پیر و مرشد کے پاس جا کر اپنے گناہوں سے توبہ کر کے بیعت کرتا ہے اور درحقیقت روح کی پیدائش کا یہ پہلا دن ہوتا ہے، کیونکہ اس سے پہلے اس کی روح نفس اور شیطان کے پنجہ میں گرفتار تھی۔ کسی پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے اس کی روح شیطان کے پنجہ سے خلاصی پا جاتی ہے۔

دیکھو حدیث شریف میں وارد ہے کہ انسان کے دل میں دو کوٹھریاں ہیں۔ ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف۔ دائیں طرف کی کوٹھری میں فرشتہ رہتا ہے اور بائیں میں شیطان

رہتا ہے۔ انتہی۔

جب انسان پیر کے پاس جا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر توبہ کرتا ہے تو اس کا دل شیطان کے پنجہ سے چھوٹ جاتا ہے اور اس کے بعد اگر تین صورتوں میں سے ایک صورت بھی قائم رہے تو شیطان اس کے دل پر قابو نہیں پا سکتا ورنہ اس پر پھر پنجہ مار کر اپنا تسلط کر لیتا ہے۔

صورت اول۔ مرید کا خیال پیر کی طرف رہے۔

صورت دوئیم۔ یا پیر کی توجہ مرید کی طرف رہے۔

صورت سوئیم۔ یا وہ مرید اللہ کا ذکر کرتا رہے۔

ان تینوں صورتوں میں انسان پر شیطان قبضہ نہیں کر سکتا اور اگر ان تینوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو شیطان اس کے دل پر پھر قابو پا لیتا ہے۔ غرض، کہ طالبِ حق کو کسی پاک روح کے ساتھ محبت اور تعلق ضرور پیدا کرنا چاہیے جو قیامت کے دن اس کے لیے نجات کا ذریعہ ہو۔ دیکھو حدیث شریف حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سات شخصوں کو خدا تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔

ایک وہ ہوگا جس کی دوسرے مسلمان کے ساتھ محض لِلّٰہ محبت ہوگی، یعنی روحانی تعلق ہو گا۔ اس حدیث شریف سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ پیر اور مرید دونوں قیامت کے دن زیرِ سایہ عرش ہو کر نجات پاویں گے۔

ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے کہ ایک شخص جو سو آدمی کا قاتل تھا کسی نیک بندے کی زیارت کے لیے بغرضِ توجہ جا رہا تھا رستہ میں مر گیا۔ رحمت اور عذاب کے فرشتے آئے۔ حکم ہوا کہ یہ جس جگہ سے روانہ ہوا تھا وہاں سے اس عالم کے مکان تک کی پیمائش کرو جس کے پاس یہ جانا چاہتا تھا۔ پیمائش کرنے پر معلوم ہوا کہ نصف مسافت سے ایک بالشت بھر زمین زیادہ اس عالم کے مکان کی طرف طے کر چکا

تھا۔ رحمت کے فرشتوں کو حکم ہوا کہ ہم نے اسے بخش دیا۔ تم اس کی روح کو بہشت میں لے جاؤ۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ صوفیائے کرام کے پاس حاضری تو درکناران کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کرنے والے بھی بخشے جایا کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا۔ قرآن شریف ثابت کرتا ہے کہ مرید کا پیر کی خدمت میں جانا ضروری ہے جس سے کسی اہلِ اسلام کو بھی انکارنہیں ہوسکتا۔ سب سے ضروری امر یہ ہے کہ مرید اپنی عمر کا اکثر حصہ پیر کی خدمت میں گزارے اور حقیقت میں عمر بھی وہی ہے جو پیر کی خدمت میں بسر ہو۔ کسی ہندی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

عمر سو جو مرشدان نال گزرے

یعنی عمر وہی ہوتی ہے جو پیر کی خدمت میں بسر ہوتی ہے۔ ایک بزرگ راولپنڈی کے علاقہ میں فرمایا کرتے تھے:

بردرِ پیرے بروہر صبح و شام
تاترا حاصل شود مقصد تمام

اور فرمایا کرتے تھے۔ اول تو مناسب ہے کہ مرید ہر وقت اپنے پیر کی خدمت میں حاضر رہے اگر یہ نہیں ہوسکتا تو ایک دن میں ایک دفعہ پیر کی زیارت کرے۔ مشاغل دنیوی کے باعث یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم ہفتہ میں ایک مرتبہ' یہ بھی نہ ہو سکے تو مہینہ بھر میں ایک مرتبہ یہ بھی نہ ہو سکے تو چھ مہینے کے بعد ایک دفعہ' یہ بھی نہ بن پڑے تو گیا گزرا سال میں تو ایک دفعہ ضرور اپنے پیر و مرشد کی زیارت سے بہرہ ور ہو' یہ بھی نہیں تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ روحانی متعلقین میں اس کا اپنے آپ کو دخل سمجھنا صرف برائے نام ہے اور کچھ نہیں کیونکہ جس قدر عبادتیں ہیں' ان میں سے اکثر کا سال بھر میں ادا کرنا فرض ہے۔

اسی طرح بندگانِ خدا کی زیارت بھی ایک عبادت ہے' جس کا بجالانا سال بھر میں کم از کم ایک دفعہ ضرور ہونا چاہیے اور یہ عبادت ہے' جس کے مقبول ہونے میں کچھ بھی شک و شبہ نہیں۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی بابت فرماتے ہیں: اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْہِ الْعَالِمِ عِبَادَۃٌ یعنی عالم کے چہرہ کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے' اسی طرح جتنی مرتبہ ان کے چہرہ کی طرف دیکھے گا اتنی ہی اس کے اعمال نامے میں نیکیاں لکھی جاویں گی۔ حضرت مولانا روم جو صوفیوں کے سرتاج ہیں' فرماتے ہیں:

دیدن دانا عبادت ایں بود
فتح ابواب سعادت ایں بود

جب پیر کی زیارت بموجب حدیث شریف مذکورہ بالا عبادت ٹھہری تو انسان جتنی عبادت زیادہ کرے گا' اتنا ہی زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا۔ دیکھو اس کی بابت اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا ارشاد ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْاللّٰہَ وَکُوْنُوْ مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ ''اے ایماندارو! اللہ سے ڈرو اور ہمیشہ صادقین کے ساتھ رہا کرو''۔ اس آیت میں معیت سے اگر معیت جسمانی دائمی مراد لی جاوے تو حکم الٰہی کا بجالانا قریباً قریباً ناممکن ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ حوائج بشری سے آخر پیر بھی تو خالی نہیں۔ پاخانہ پیشاب کے وقت یا دیگر ایسے ضروریات کے وقت مرید کبھی پیر کے ساتھ نہیں رہ سکتا اور آیت کا حکم بجالانا ضرور ہے۔

اکثر مفسرین نے اس آیت کی جو تفسیر لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معیت دو قسم کی ہے۔ جسمانی اور روحانی' اگر دونوں معیتیں کسی خوش نصیب کو میسر ہو جاویں تو سبحان اللہ نور علیٰ نور ہے۔ ورنہ روحانی معیت تو مرید کو پیر کے ساتھ ضرور ہے اور یہی روحانی معیت تصوف کا اصل اصول ہے۔ کیونکہ تعلق دو قسم کے ہوتے ہیں' تعلق جسمانی اور تعلق روحانی' جسم چونکہ فانی شے ہے' اس لیے اس کا تعلق بھی فانی ہے یعنی جسم کے فنا ہوتے ہی جسمانی تعلقات بھی

قطع ہو جاتے ہیں۔ باپ کا بیٹے کے ساتھ' شوہر کا بیوی کے ساتھ' ماں کا بچے کے ساتھ یا بھائی کا بھائی کے ساتھ' غرض یہ جتنے تعلقات ہیں' ان کی انتہائی حد قبر کی چار دیواری سے ادھر اُدھر ہے۔ دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد یہ سب تعلقات قطع ہو جاتے ہیں۔ قرآن شریف میں ان تعلقات جسمانی کی نسبت یوں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ **یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ** ۔یعنی قیامت کے دن بھائی بھائی سے بیٹا ماں سے باپ بیٹے سے عورت خاوند سے بھاگ جاویں گے اور کوئی اس دنیا کا تعلق وہاں کام نہیں آوے گا۔

اس کے مقابلہ میں روحانی تعلق کا حال سنیئے کہ یہ تعلق قیامت کے دن بھی ویسا ہی قائم رہے گا۔ جیسا کہ دنیا میں تھا بلکہ جسم کے فنا ہو جانے کے بعد یہ تعلق روحانی اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے اور قرآن کریم اس پر گواہ ہے۔ **اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ** ۔یعنی جتنے دنیا میں دوست ہیں' وہ قیامت کے دن سب دشمن ہو جاویں گے مگر وہ جو نیکوکار ہیں' وہ قیامت کے دن بھی دوست ہی رہیں گے' یعنی ان کا روحانی تعلق قیامت کے دن بھی نہیں ٹوٹے گا اور یہی خلق ہے جس پر شفاعت باہمی کے مسئلے کی بنیاد ہے۔

حدیث شریف میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے کہ حشر کے دن ایک شخص کے نامہ اعمال میں ایک نیکی کی کمی نکلے گی وہ عرض کرے گا' الٰہی میں اپنے متعلقین میں سے کسی ایک کے پاس سے ایک نیکی مانگ لاتا ہوں۔ چنانچہ سب سے پہلے وہ اپنی ماں کے پاس جاوے گا' پھر باپ کے پاس' پھر بھائی کے پاس' پھر عورت کے پاس' پھر بچہ کے پاس' علیٰ ہٰذا القیاس وہ سب رشتہ داروں کے پاس پھرے گا۔ لیکن سب کی طرف سے اس کو جواب صاف ملے گا' ماں کہے گی میں نے تجھے جنا ہی نہیں' باپ کہے گا میں تجھے پہچانتا ہی نہیں' بیوی کہے گی میں نے تو دنیا میں شادی ہی نہیں کی تھی تو میرا خاوند کیسے ہو سکتا ہے' بچہ کہے گا میں نے تو دنیا میں تجھے دیکھا ہی نہیں' یہاں کیا نیکیاں دھری ہیں' چلے جاؤ ہمارے پاس کوئی نیکی نہیں' سرے جسمانی

تعلقداروں کے پاس پھر پھرا کر اور نا امید ہو کر وہ صرف اللہ تعالیٰ کے رحم کے بھروسہ پر چلا جاوے گا' راستہ میں اسے ایک شخص جس کی اس سے لِلّٰہ محبت تھی مل جائے گا۔ وہ دوست اس مایوس سے پوچھے گا' دوست خیر تو ہے' حیران کیوں ہو' یہ کہے گا میرے نامۂ اعمال میں ایک نیکی کم ہے' متعلقین جسمانی کے پاس گیا تھا' ان سب نے جواب صاف دے دیا' اور کسی نے ایک نیکی سے میری مدد نہیں کی' اب دیکھیے' اس نیکی کی کمی مجھے جہنم میں پہنچاتی ہے' یا کیا حال ہوتا ہے' وہ دوست کہے گا گھبراؤ نہیں' میرے پاس صرف ایک نیکی ہے اور تم جانتے ہو کہ ایک نیکی سے میری نجات کسی طرح نہیں ہو سکتی' چلو وہ میں تمہیں دے دیتا ہوں بلا سے میرا کچھ ہی حال ہو' تمہاری تو نجات ہو جائے' وہ مایوس شخص اس اپنے دوست سے نیکی حاصل کر کے خوش خوش بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو گا' بارگاہِ رب العزت سے سوال ہو گا' یہ نیکی کہاں سے لائے' وہ عرض کرے گا' الٰہی جسمانی تعلقدار جن کے لیے میں رات دن مرتا رہا' ناکردنی کام کیے' ناگفتنی الفاظ زبان سے نکالے' ان سب نے تو جواب دے دیا تھا۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ہم تجھے پہچانتے تک نہیں۔ راستہ میں خوش قسمتی سے ایک روحانی تعلقدار مل گیا جس کے ساتھ میرا صرف پیر بھائی ہونے کا تعلق تھا۔ سوائے اس تعلق کے میں نے اس کی اور کوئی خدمت نہیں کی تھی اور نہ کوئی میرا احسان اس کی گردن پر تھا' یہ نیکی اس نے مجھے بغیر سوال کے دے دی ہے۔ ارشاد ہو گا کہ اس نے ہمارے لیے تم کو ایک نیکی بخش دی' جو اس کی ساری بضاعت تھی' ہم تم کو نیکیوں کے عوض بخشتے ہیں اور اسے اپنے فضل سے بخش دیتے ہیں۔ جاؤ ہمیشہ کے لیے جنت میں آرام کرو۔

دیکھیے حدیث شریف مذکور کس وضاحت سے ثابت کرتی ہے کہ جسمانی تعلقات میں الجھے ہوئے رہنا ہرگز مفید نہیں اور کس قدر تاکید فرماتی ہے کہ روحانی تعلق نجات کے لیے از حد ضروری ہے۔ اس بڑی نعمت کو ہرگز ہاتھ سے نہ دینا چاہیے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں دُنیا میں زیادہ تر تعلقات نیک لوگوں کے ساتھ اس لیے بڑھاتا تاکہ حشر کے دن خدا تعالیٰ ان میں سے کسی کو بخش دے تو وہ بخشا ہوا شخص میری شفاعت بارگاہِ الٰہی میں کر کے حقِ آشنائی ادا کرے۔ حقیقت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ روحانی تعلق آج بنائے سے نہیں بنتا' بلکہ روزِ اول سے ہی ہے' جبکہ روحیں پیدا کی گئی تھیں۔ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے متعلق یوں خبر دی ہے۔ الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منھا ایتلف وما تنا کرمنھا اختلف رواہ البخاری ومسلم۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جب سب روحیں پیدا کیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک دنیا میں آنے والی ہیں تو وہ روحیں چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی طرح تھیں اور سب ہی ایک جگہ جمع تھیں' وہاں بالکل اندھیرا تھا' خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کا نور چھڑکا روشنی ہوگئی۔ اس روشنی میں ایک روح نے دوسری کو پہچان لیا۔ یعنی ان ارواح نے ایک دوسرے کو پہچان لیا جو دنیا میں ایک ہی زمانہ میں اور ایک ہی ملک میں پیدا ہونے والی تھیں۔ اگر ہم اپنے زمانۂ پیدائش سے پہلے پیدا ہونے والے بشر کی روح کو دیکھتے تو کیا فائدہ ہوتا بلکہ انہی ارواح نے ایک دوسرے کو دیکھا جو ایک زمانہ اور ایک ہی ملک میں پیدا ہونے والی تھیں۔ اس روزِ اول سے یہ تعلق پیدا ہوگیا۔ جو پیر کو مرید کے ساتھ یا مرید کو پیر کے ساتھ یا پیر بھائی کے ساتھ ہوتا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جنابِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارا روحانی تعلق ہے یا نہیں جس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے ساتھ نور ہے لیکن یہ تعلق بالواسطہ ہے' واسطہ کیا ہے' اپنے پیر کی روح جس طرح ہم سب حضرات آدم علیہ السلام کی اولاد کہلاتے ہیں اور وہ ہمارے جسمانی باپ ہیں۔ ویسے ہی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے روحانی باپ ہیں اور ہم سب ان کے ہی روحانی فرزند ہیں' مگر اپنے پیر کے واسطہ سے۔

یہ تو معلوم ہو چکا کہ روحانی تعلق نجات اخروی کے لیے اشد ضروری امر ہے اور یہ بھی

معلوم ہو چکا کہ پاک لوگوں کی زیارت کرنا' پیر کی صحبت میں رہنا خداوند تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ہے اور یہ کہ پیر کی صحبت میں انسان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو موالفات کے باعث پیر کی صحبت بلاواسطہ نصیب نہ ہو سکے تو اس کو چاہیے کہ اپنے پیر بھائی کی زیارت کر لیا کرے اور اس زیارت کو پیر کی زیارت کا قائم مقام سمجھا کرے۔ آپ نے سنا ہو گا جو حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں مجنوں کے عشق کی ایک حکایت لکھی ہے' فرماتے ہیں۔

مجنوں نے ایک کتے کے پاؤں چومے' لوگوں نے کہا' میاں مجنوں کتا تو پلید ہے تم نے یہ ناجائز کام کیوں کیا؟ مجنوں نے جو جواب دیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے' کہا کہ تم لوگ چونکہ عشق و محبت کے رموز سے بے بہرہ ہو۔ اس لیے تم کیا جانو کہ میں نے اس کے پاؤں کیوں چومے۔ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ کتا ایک پلید چیز ہے' مگر تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس کتے کا اس کوچے میں گزر ہوا کرتا ہے' جہاں میرے محبوب لیلیٰ کی قیام گاہ ہے:

پائے سگ بوسید مجنوں خلق گفتہ ایں چہ بود
گاہ گاہے ایں سگے در کوئے لیلے رفتہ بود

اسی طرح میرا پیر بھائی میاں امام الدین صاحب جو موضع چک تحصیل پسرور کا باشندہ ہے اٹھ کر ہر روز اس گھوڑی کی قدم بوسی کیا کرتا تھا جو میرے پیر و مرشد قبلہ و کعبہ قدس اللہ سرہ العزیز نے اس کے پاس بھیجی ہوئی تھی اور بڑی محبت اور پیار سے کہا کرتا تھا کہ یہ وہ گھوڑی ہے جو میرے قبلہ و کعبہ کے دربار شریف سے آئی ہوئی ہے۔

حضرت سید بڈھن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن کلانور ضلع گورداسپور جن کے دیکھنے والے اب تک موجود ہیں اور جو حضرت حاجی سید حسین علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی مجددی ساکن مکان شریف ضلع گورداسپور کے مرید تھے۔ اپنے پیر بھائی حضرت سید امام علی

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن مکان شریف کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ اس زمانہ میں کوئی مرید اپنے پیر کا ویسا ادب نہیں کرتا ہے۔ حتیٰ الامکان عمر بھر میں آپ نے مکان شریف کی طرف پیٹھ نہیں کی اور نہ ہی مکان شریف کی زمین میں پیشاب کیا نہ اس میں کبھی جوتہ پہنا اور نہ اس طرف کبھی منہ کر کے تھوکا۔

ایک دن مکان شریف سے ایک خاکروب یعنی چوہڑا کلانور میں جا نکلا' آپ نے اس کا یہاں تک ادب کیا کہ اس کو اپنی مسند پر جو تخت شاہی سے بھی کہیں بڑھ کر تھی' بٹھانے کے لیے نہایت اصرار فرمایا' وہ بیٹھنے سے انکار کرتا رہا' بہت دیر کے اصرار کے بعد آپ نے فرمایا' اگر مجھے خوش کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اس مسند پر بیٹھنا پڑے گا' وہ ناچار بیٹھ گیا جتنے گھنٹے وہ وہاں رہا' آپ دستہ بدستہ اس کی خدمت کے واسطے کھڑے رہے اور اپنے ہاتھ سے اس کو کھانا کھلانا اور ایک پوشاک اور چند مبلغات دے کر اس کو رخصت کیا' اس کے ساتھ ایک کتا بھی تھا اسے مانگ کر رکھ لیا' جب تک آپ زندہ رہے ہمیشہ آپ کا معمول رہا کہ ہر روز صبح اٹھ کر اس کتے کی زیارت کیا کرتے اور نہایت محبت اور پیار سے فرمایا کرتے کہ یہ مکان شریف سے آیا ہوا ہے' اس کے لیے عمدہ کھانا تیار ہوتا۔ خود کبھی نہ کھاتے جب تک کہ اس کو پہلے نہ کھلاتے۔

حضرت میاں عزیز الدین صاحب قدس سرہ ساکن جلال پور جٹاں ضلع گجرات حضرات باولی شریف والوں کے مرید تھے اور حضرت باولی شریف والے قدس سرہ میرے حضرت پیرو مرشد قدس سرہ کے ملنے والے تھے۔ میاں عزیز الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کبھی کسی بات سے ایسے خوش نہیں ہوتے تھے' جتنے کہ اپنے پیر بھائیوں کے ملنے اور دیکھنے سے ہوا کرتے تھے۔ جب کوئی مسافر یا طریقت حضرت صاحب کی خدمت میں جانے والا مل جاتا تو باوجود ضعف پیری کے اپنے ہاتھ سے اس کی خدمت کرتے اس کے پاؤں دباتے' دو دو میل تک اس کو

رخصت کرنے کے لیے ساتھ تشریف لے جاتے اور شکرانہ کے نفل پڑھتے اور کہتے کہ الحمدللہ آج مجھ کو یار کی زیارت نصیب ہوئی اور اگر اتفاق سے کسی دن کوئی مسافر یار طریقت نہ آتا تو کوٹھے پر چڑھ کر دیکھتے' اگر کوئی یار نظر نہ آتا تو رویا کرتے کہ الٰہی مجھ سے کون سا ایسا گناہ سرزد ہوا کہ جس کی شامت سے آج کسی یار طریقت کی زیارت نصیب نہ ہوئی۔

ایک دفعہ ان کے پیر و مرشد حضرت خواجہ عالم خاں صاحب قدس سرہ نقشبندی مجددی ساکن باولی شریف جلال پور جٹاں ضلع گجرات میں تشریف لائے' آپ نے مرتے وقت وصیت کی کہ میری قبر اس جگہ بنانا جس جگہ میرے پیر و مرشد کے گھوڑے باندھے گئے تھے اور جس جگہ انہوں نے پیشاب اور لید کی تھی۔ آخر ان کی وصیت پر عمل کر کے اسی جگہ ان کی قبر بنائی گئی' جو اب تک موجود ہے۔

حضرت سید میراں بھیکھ صاحب چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ ساکن ٹھسکہ شریف کے حالات میں ان کے خلیفہ حضرت سید علیم اللہ صاحب جالندھریؒ اپنی کتاب نزہت السالکین میں جو اَب تک نہیں چھپی' تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت میراں بھیکھ صاحبؒ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ ابوالمعالی قدس سرہ کے ہمراہ انبیٹھ سے سہارنپور میں تشریف لائے۔ حضرت خواجہ ابوالمعالی قدس سرہ کا ایک صاحبزادہ محمد باقر نامی تھا' جن کے ساتھ آپ کو کمال درجہ کی محبت تھی' اس کو مع اس کی والدہ اور درویشوں کے انبیٹھ میں چھوڑ آئے تھے اور ایک دکاندار کے سپرد کر آئے تھے کہ جس چیز کی ضرورت ہو' ان کو دے دیا کرنا' ہم آ کر تمہارا قرضہ ادا کر دیں گے' جب رات کو آپ نے کھانا کھایا تو فرمایا معلوم نہیں کہ محمد باقر نے کھانا کھایا ہے یا نہیں۔ حضرت میراں بھیکھ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات سن کر جس شخص کی دعوت کی تھی اس کو کہہ دیا کہ دو تین آدمیوں کے واسطے کھانا رکھ لینا۔

حضرت میراں بھیکھ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ وضو کرانے کی خدمت تھی۔ حضرت کو

عشاء کا وضو کرایا۔ آپ نماز پڑھ کر سو گئے تو حضرت میراں بھیکھ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کھانا لے کر دوڑے اور انبیٹھ میں جا کر وہ کھانا پہنچا کر پھر دوڑتے ہوئے سہارنپور اسی وقت آن پہنچے کہ ابھی تہجد کی نماز کے واسطے حضرت نہیں اٹھے تھے۔ آپ اٹھے حسبِ معمول آپ نے وضو کرایا۔ اسی طرح حضرت خواجہ ابوالمعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مہینہ تک سہارنپور میں قیام کیا اور آپ ہر روز اسی طرح انبیٹھ میں برابر کھانا پہنچاتے رہے۔

اب یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انبیٹھ سہارنپور سے ۱۶ میل کے فاصلہ پر ہے، جس کی آمد و رفت کی مسافت کے ۳۲ میل ہوتے ہیں۔ گویا آپ روز مرہ عشا سے تہجد تک ۳۲ میل کا سفر پاپیادہ کرتے رہے اور اپنے پیر و مرشد پر ہرگز اس بات کو ظاہر نہیں ہونے دیا کیونکہ ان کا یہ کام محض خالصاً لوجہ اللہ تھا۔ ان کی یہ نیت تھی کہ میرے پیر و مرشد کے صاحبزادے صاحب یعنی پیر بھائی کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے، جب ایک مہینہ کے بعد آپ انبیٹھ میں تشریف لائے تو دکاندار کو بلایا اور کہا کہ گھر والوں نے جو کچھ برداشت کیا ہے، اس کا حساب کرو، دکاندار نے عرض کی کہ مجھ سے کوئی چیز نہیں لی گئی، میں کیا حساب کروں۔ یہ بات سن کر آپ متعجب ہوئے، پھر اپنے فرزند محمد باقر کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ برخوردار مجھ کو خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نعمتہائے گوناگوں اور مختلف اقسام کے لذیذ لذیذ کھانے دیتا رہا ہے، معلوم نہیں تم نے یہ مہینہ کس تکلیف سے تزارا ہو گا۔ محمد باقر نے عرض کی ہم کو بھی اللہ تعالیٰ نہایت لذیذ لذیذ کھانے دیتا رہا۔ آپ نے پوچھا کہ تم کہاں سے کھاتے رہے ہو۔ عرض کی کہ وہی کھاتا رہا ہوں جو آپ بھیجتے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے تو تمہارے واسطے کبھی کھانا نہیں بھیجا، بچے نے کہا، ہم کو تو ہر روز پہنچتا رہا ہے۔ اس کی یہ بات سن کر آپ بہت حیران ہوئے کہ یہ کیا راز ہے۔ ادھر محمد باقر کا یہ کہنا کہ آپ بھیجتے رہے ہیں اور ادھر حضرت پیر صاحب دل میں یہ خیال کر رہے تھے کہ الٰہی یہ کھانا کون لاتا رہا ہے۔ میرے

ساتھ تو صرف ایک درویش میراں بھیکھ تھا جو ہمیشہ عشاء اور تہجد کا وضو کراتا رہا ہے۔ بتیس میل کا فاصلہ روزمرہ طے کرنا انسانی طاقت سے بعید ہے۔ حضرت میراں بھیکھ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سامنے کھڑے تھے۔ پیر صاحب نے فرمایا کہ یہ کام ہو نہ ہو میراں بھیکھ کا معلوم ہوتا ہے۔ دریائے رحمت جوش میں آیا' اسی وقت آپ نے اٹھ کر ان کو گلے لگا کر نور علیٰ نور بنا دیا۔

اس حکایت کے کیا معنی؟ حضرت میراں بھیکھ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خیال کیا کہ میری جان کو تکلیف ہو تو ہو مگر میرے پیر و مرشد کے صاحبزادے یعنی پیر بھائی کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پاوے۔

فائدہ: یہ جو عام مشہور ہے کہ فلاں بزرگ نے فلاں شخص کو ایک دم میں بھرپور کر دیا یا کامل بنا دیا۔ ایسا کام ہمیشہ نہیں ہوسکتا' وہ اتفاقاً کسی ایسے رضا کے وقت میں کامل کسی پر خوش ہوکر جوش میں بحکم خدا کر گزرتے ہیں جیسا حضرت ابوالمعالی صاحبؒ نے کیا۔ یا حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب نقشبندیؒ دہلوی نے اس نانبائی پر خوش ہوکر اس کو نور علیٰ نور بنا دیا یا جس طرح میرے حضرت پیر و مرشد جناب حافظ جمال اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ رامپوری نے میاں درگاہی شاہ صاحب کو خوش ہو کر نور علیٰ نور بنا دیا تھا۔ وہ واقعہ اس طرح پر ہوا کہ حضرت خواجہ حافظ جمال اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ریاست رامپور کے متصل دریا کے کنارے شکار کھیل رہے تھے۔ ہرن کے پیچھے صبح سے دوپہر تک گھوڑے کو دوڑاتے رہے۔ ہرن قابو میں نہیں آتا تھا۔ شاہ درگاہی شاہ بھی ساتھ تھے۔ دعا کی یا مولا یہ ہرن ان کے ہاتھ نہ آئے۔ حضرت کو یہ بات کشف سے معلوم ہوگئی۔ فرمایا شاہ درگاہی اس جگہ کھڑا رہ اور آپ گھوڑا دوڑاتے ہوئے ہرن کے پیچھے چلے گئے' ہرن قابو نہ آیا۔ آپ خالی ہاتھ گھر آ گئے۔

بہت مدت گزر گئی شاہ درگاہی صاحب کا کوئی پتا نہ ملا۔ پورے چھ مہینے کے بعد آپ اسی

جنگل میں ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑاتے ہوئے جا رہے تھے۔ دیکھا شاہ درگاہی صاحب اسی جگہ کھڑے ہیں۔ آپ گھوڑے سے اترے۔ فرمایا شاہ درگاہی تو یہاں کب سے ہے۔ عرض کی جب سے آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ یہاں کھڑا رہو اسی وقت سے کھڑا ہوں' آپ نے فرمایا اتنی مدت تک' عرض کی حضرت اتنی مدت کیا' اگر آپ تشریف نہ لاتے تو میں قیامت تک اسی جگہ کھڑا رہتا۔ آپ کا فرمان اور میں سرموفرق کرتا۔ جب آپ نے فرمایا اسی جگہ کھڑا رہ تو میں کیسے ہل سکتا تھا۔

شاہ درگاہی کی یہ بات سن کر حضرت حافظ صاحب اتنے خوش ہوئے کہ اس کو بغلگیر کر کے مالا مال کر دیا۔ پھر اسی جگہ شاہ درگاہی کی خدمت میں بڑے بڑے نواب دستہ بستہ کھڑے رہتے تھے۔ مگر اس میں یہ بات قابلِ دید ہے کہ حافظ صاحب نے تو ان کو نورٌ علی نور بنایا مگر شاہ درگاہی صاحب کی ارادت و اعتقاد کو بھی دیکھنا چاہیے کہ انہوں نے پیر و مرشد کے فرمان کی تعمیل میں اپنی جانِ عزیز کھونے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ انسان کا چھ ماہ تک نہ کھانا نہ پینا' گرمی' سردی' دھوپ' بارش میں ایک ہی جگہ بلاحرکت کھڑے رہنا طاقت بشریٰ سے باہر نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ شعر:

وسعت میدان ارادت بیار
تا بزند مرد سخن گوئے گو

پہلے حضرت شاہ درگاہی صاحب کا جیسا عقیدہ ہو' تو پھر حافظ صاحب اس کے حال پر نظرِ عنایت فرمادیں۔ شعر:

عاشق کہ شد کہ یار بحالش ظر نہ کرد
اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

دو پیر بھائیوں کے درمیان میں محبت کا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ ان دونوں

شخصوں کو اپنے پیر کے ساتھ محبت ہے اور پیر کے ساتھ محبت ہونا علامت ہے' محبت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہونا علامت ہے' خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت ہونے کی اور درحقیقت یہی ایمان ہے۔ یہ محبت جس قدر زیادہ ہوگی' اسی قدر ایمان کامل ہوگا اور جس قدر کمی اس محبت میں واقع ہوگی' اسی قدر اس کے مدارج طریقت میں نقصان ہوگا۔ حقیقت میں پیر کی محبت اور خدا کی محبت دو نہیں۔

حکایت

ایک دن میرے استاد زبدۃ العارفین' قدوۃ السالکین حضرت حاجی حافظ مولوی احمد حسن صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں نواب درویش گجراتی نے سرہند شریف کے اسٹیشن پر فقیر کی موجودگی میں دعا کے واسطے عرض کی۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ تم کو اپنی محبت میں مستغرق کرے۔ نواب درویش نے عرض کی۔ حضرت میں یہ نہیں چاہتا بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ مجھ کو پیر کی محبت میں مستغرق کرے۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو جواب فرمایا' وہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا! وہ دو نہیں ہیں' کیا معنی کہ پیر اور خدا کی محبت دو نہیں ہیں بلکہ یک ہی ہے۔ پیر کی محبت عین خدائے تعالیٰ کی محبت ہے کیونکہ پیر وسیلہ یا ذریعہ ہے خدا تعالیٰ کی محبت کا اور خدا تعالیٰ کی محبت فرض ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت سوائے پیر کی محبت کے اور کسی صورت سے حاصل نہیں ہوسکتی اور اس کے واسطے کوئی خاص قاعدہ نہیں۔ طالب کے دل کی جس قسم کی زمین ہوگی' اسی قسم کی محبت کے آثار اس پر ظاہر ہوسکتے ہیں۔ نرم دل بچہ اور عورت میں اس محبت کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ دلوں کا نرم اور سخت ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے' یہ حدیث شریف صحیح بخاری میں وارد ہے۔

یہ پیر بھائیوں کا سلسلہ کب سے جاری ہوا۔ اس امت میں سب سے پہلے پیر بھائیوں کا

سلسلہ صحابہ کرامؓ سے شروع ہوا۔ رضی اللہ عنھم یہ سب ایک دوسرے کے پیر بھائی تھے۔ جو کچھ صحابہ کرام کو ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں محبت تھی' اس کی نظیر آج محال ہے۔ اس کے بعد یہ اتحاد محبت کا سلسلہ اب تک اسی طرح سینہ بسینہ چلا آتا ہے اور اس محبت کا کم و زیادہ ہونا پیرانِ عظام کی نظرِ عنایت پر موقوف ہے۔

مرشد کامل کو کسی بات میں اس سے بڑھ کر خوشی نہیں ہوتی جتنی کہ اپنے دو مریدوں کو آپس میں متحد دیکھ کر ہوتی ہے اور اس کے برخلاف کسی بات سے اتنا رنج نہیں ہوتا جتنا کہ دو مریدوں کو آپس میں ناراض دیکھنے سے ہوتا ہے اور اصول بھی یہی ہے کہ جب یہ سلسلۂ اتحاد اور محبت کا محض اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے تو پھر اس میں غیریت کیسی اور عناد چہ معنی؟ ایسے دو شخصوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ دونوں مردود بارگاہِ الٰہی ہیں۔ علاوہ اپنے پیر و مرشد اور ہادی برحق کے دل دکھانے کے خدائے تعالیٰ کو بھی ناراض کر لیتے ہیں تو جو محض اپنی نفسانیت کے واسطے خدائے تعالیٰ کو ناراض کرے' اس سے بڑھ کر بدنصیب اور شقی کون ہوسکتا ہے۔

اکثر یارانِ طریق ان مسائل سے ناواقف ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کے باعث باہم بغض پیدا کر کے اپنے مولی کو ناراض کر لیتے ہیں۔ ان کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے نفس کی خرابیوں سے شرمانا چاہیے اور ان خرابیوں کو دور کر کے باہمی محبت کا سلسلہ قائم کرنا چاہیے اور یاد رکھنا چاہیے کہ جو کچھ ہے محبت ہی محبت ہے اور بس!

اللہ اللہ ایک وہ زمانہ تھا کہ لوگ پانچ پانچ سو کوس کا سفر پیادہ طے کر کے اپنے پیر یا پیر بھائیوں کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے اور اس نعمت کے برابر اور کوئی نعمت نہ سمجھتے تھے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ فقیر کے یارانِ طریق میں سے ایک شخص میاں وزیر محمد نامی (خدائے تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں اس کی روح پر نثار ہوں) امرتسر میں رہا کرتا تھا۔ بیچارہ دو چار آنے روز کا کام کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا۔ جب اسے معلوم ہو جاتا کہ علی پور سے کوئی شخص امرتسر آیا

ہے تو سب کاروبار چھوڑ کر اس کی تلاش میں نکلتا اور جب تک اس کی تلاش نہ کر لیتا چین نہ لیتا' پھر اس کو اپنے گھر لاتا اور اپنی استطاعت سے بڑھ کر اس کی خدمت کرتا۔

اب بھی ایک شخص بابا روڈا نامی سیالکوٹ میں رہتا ہے۔ نہایت ضعیف البدن اور بالکل مفلس آدمی ہے۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص علی پور سے سیالکوٹ میں آیا ہے تو باوجود اپنی ضعیفی اور معذوری کے بذاتِ خود اس کی تلاش کر کے جب تک اپنے گھر میں لے جا کر اس کی خدمت نہ کر لے' اسے آرام نہیں آتا۔ خدائے تعالیٰ اور سب یاروں کو بھی یہ روحانی محبت عطا فرمادے۔

میرے قبلہ و کعبہ حضرت پیر و مرشد ہادی و مولیٰ فداہ روحی و قدس اللہ سرہ العزیز اپنے والد ماجد حضرت خواجہ نور محمد تیراہی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کر کے اکثر ارشاد فرماتے اور خود بدولت بھی اس بات پر زور دیا کرتے کہ یار طریقت وہ ہوتا ہے جو یارانِ طریق کی خدمت کرے۔ ورنہ صرف ہماری ہی خدمت کرنے سے کوئی شخص یار ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا' کیونکہ ہماری خدمت تو کافر بھی کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ ایک جامع پُر معنی جملہ ہے جس کے الفاظ تو تھوڑے سے ہیں مگر لفظ لفظ کے نیچے حقائق کا سمندر لہریں مار رہا ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ ایک مستعد طالب کو عمل کرنے کے لیے یہ ایک ہی حکم کافی ہے۔

حدیث شریف میں یہ مضمون اس طرح سے وارد ہے کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کی عزت کرے۔ خدا اس کی عزت کرتا ہے' دوسری حدیث میں یوں ارشاد ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی ذات اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔ اس کو لازم ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے' اس حدیث شریف میں لفظ اکرام ایک ایسا لفظ ہے کہ اس کی جتنی تشریح کی جائے' تھوڑی ہے۔ ہر ایک قسم کی خدمت اس لفظ کے معنوں میں داخل ہے۔ غور کا مقام ہے کہ جب حضور سرورِ کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام عام مہمان کے اکرام کی اس قدر تاکید فرماتے ہیں تو اس

کے بعد جس قدر خصوصیت تعلقات میں زیادہ ہو گی' اسی قدر اس حکم میں تاکید زیادہ ہوتی جائے گی۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے۔ اٹھائیسواں پارہ پہلے ربع کا چوتھا رکوع وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ یعنی باوجود اپنی ضرورتوں کے دوسروں پر ایثار کرتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے وارد ہے کہ ایک مسکین صحابی کے پاس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کوئی شخص بکری کا ایک بھنا ہوا سر لایا۔ اس صحابی نے وہ سر اپنے سے زیادہ محتاج ایک صحابی کے پاس بھیج دیا۔ اس دوسرے نے تیسرے کے پاس اور تیسرے نے چوتھے کے پاس۔ اسی طرح وہ سر نو شخصوں کے پاس پھرا۔ خدا تعالیٰ جل جلالہ کو ان کا یہ عمل نہایت پسند آیا۔ اس پر یہ آیت وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ نازل ہوئی۔

ایک اور روایت میں اس طرح آیا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت سے مہمان آ گئے۔ حضور نے حاضرین سے فرمایا' ان کی خدمت کرو۔ چنانچہ ہر ایک صحابی بقدرِ استطاعت ایک ایک دو دو مہمانوں کو اپنے گھر لے گیا۔ ایک صحابی مہمان کو لے کر گھر پہنچے۔ تو گھر میں دو روٹیاں موجود تھیں' جن پر ان کے سارے بال بچوں کو گزارہ کرنا تھا۔ اس مردِ خدا نے بیوی سے کہا کہ بچوں کو تو بھوکا سلا دو اور میں مہمان کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھ جاؤں تو تم بتی نکالنے کے بہانے سے چراغ کو گل کر دینا۔ جب مہمان اور میزبان دونوں روٹیاں آگے رکھ کر بیٹھ گئے تو اس نیک بخت بی بی نے چراغ گل کر دیا۔ میزبان اندھیرے میں جھوٹ موٹ منہ ہلاتا رہا تاکہ یہ مہمان سمجھے کہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہے۔ یہاں تک کہ ان دونوں روٹیوں میں سے ایک نوالہ بھی اس مرد نے اپنے منہ میں نہ ڈالا۔ یہی نہیں کہ خود بھوکا رہا بلکہ مہمان کی خاطر اپنی بیوی اور بچوں کو بھوکا رکھا اور مہمان کو جو اس کا پیر بھائی تھا' بھوکا رکھنا گوارا نہ کیا۔ اس صحابی کا یہ عمل یعنی چراغ گل کرنا اور بغیر لقمہ اٹھانے کے ہاتھ منہ کی طرف لے جانا بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوا۔ جب صبح وہ صحابی حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ اس کو دیکھ کر مسکرائے اور بہت خوش ہو کر فرمایا کہ تمہیں مبارک ہو، تیرا رات والا عمل بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہو گیا ہے اور تیرے حق میں اللہ تعالیٰ نے ایک آیت بھیجی ہے جس میں تجھے نجات کا وعدہ دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جنگِ احد میں ایک صحابی زخم سے بیتاب ہو کر گرے اور نزع کی حالت میں پیاس کی شدت ہوئی تو کسی سے پانی مانگا۔ وہ شخص پانی لے کر اس کے سر پر پہنچا تو پاس سے ایک دوسرے شخص نے ہائے پانی ہائے پانی پکارا۔ پہلے زخمی نے پانی والے کو کہا پہلے اس دوسرے زخمی کو پلا دو۔ میں پیچھے پیوں گا۔ وہ شخص پانی لے کر دوسرے کے پاس گیا تو کسی تیسرے زخمی نے آواز دی، وہ تیسرے کی خدمت میں حاضر ہوا تو چوتھے زخمی نے پانی پانی پکارا۔ غرض وہ شخص اسی طرح پانی لیے ہوئے سات زخمیوں کے پاس گیا۔ مگر ان میں سے کسی ایک نے دوسرے کو پیاسا رکھ کر خود پانی پینا گوارا نہ کیا۔ جب وہ پانی کا پیالہ لے کر ساتویں کے سر پر پہنچا تو اس کا دم نکل چکا تھا۔ وہ پانی والا جس ترتیب سے گیا تھا اس ترتیب سے واپس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ سب کے سب جان دے چکے ہیں۔ وہ پیالہ پانی کا جوں کا توں اس پانی والے کے ہاتھ میں موجود تھا۔ یہ ہیں سچے یارِ طریقت یا حقیقی پیر بھائی کے معنی۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی گلستان میں ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ دو دوست ایک کشتی میں سوار تھے اتفاقاً دونوں دریا میں گر پڑے، ملاح ایک کے پکڑنے کو پانی میں کود پڑا تو اس ڈوبنے والے نے کہا کہ میاں ملاح مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور پہلے میرے اس یارِ طریقت کو پکڑو، اس کے ان الفاظ سے کشتی والے بہت بگڑے اور کہا دیوانے تم اپنی جان تو پہلے بچا لو پھر دوسرے کی فکر کرنا۔ اس کے جواب میں جو فقرے اس ڈوبنے والے کی زبان سے نکلے وہ ایسے ہیں کہ آئندہ آنے والی نسلیں جو محبت کا دعویٰ کریں گی، وہ سب انہیں فقروں کو اپنا دستور العمل بنائیں گی۔ یعنی اس نے کہا کہ زبانی جمع خرچ یا منہ سے کسی کو

یار کہہ دینے سے کچھ فائدہ نہیں' یار وہ ہوتا ہے جو مشکل کے وقت اپنے آرام کو یار کی مصیبت پر نثار کردے اور اگر یار کی خدمت میں جان بھی کام آ جائے تو دریغ نہ کرے۔

چنیں کردند یاراں زندگانی
زکار افتادہ بشنو تابدانی

ترجمہ: دوستوں نے اپنی عمر کو ایسے بسر کیا' کسی بیکس سے سنتا تو تجھے معلوم ہوتا۔

گلستاں میں کسی دوسری جگہ بلبل شیراز یوں نغمہ طراز ہے:

دوست مشمار آنکہ در نعمت زند
لاف یاری و برادر خواندگی
دوست آں باشد کہ گیر دوست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

ترجمہ: اس شخص کو دوست مت گن جو کہ دولتمندی کے وقت دوستی کا دم بھرتا ہے' دراصل دوست وہی ہے جو پریشان حالی اور عاجزی کے وقت دستگیر ہو۔

حقیقت میں یار کہلانا تو سہل ہے مگر یارِ طریقت بننا یا اس کا سچا نمونہ بن کر دکھانا مشکل کام ہے۔

میرے حضرت پیر و مرشد ہادی و مولیٰ قدس سرہ العزیز سب سے زیادہ اس یار پر خوش ہوتے تھے جو یاروں کا سب سے زیادہ خدمت گزار ہوتا تھا۔ ایک دفعہ دربار شریف سے چند زمیندار تجارت کی غرض سے امرتسر جاتے ہوئے علی پور آ نکلے۔ فقیر نے حتی الامکان ان کی خدمت کی۔ انہوں نے دربار شریف پہنچ کر سارا ماجرا حضور میں عرض کیا' آپ اس قدر خوش ہوئے کہ جامہ میں پھولے نہ سماتے تھے۔

ایک بزرگ ساکن موضوع لنگے کھودے ضلع گجرات کے پاس ایک شخص دودھ کا پیالہ

لے کر حاضر ہوا آپ نے باوجود خود بھوکا ہونے کے دوسرے شخص کو دے دیا۔ دوسرے نے تیسرے کو تیسرے نے چوتھے کو۔ غرض وہ پیالہ گردش کرتا رہا۔ مگر کسی نے ان میں سے ایک قطرہ بھی نہ پیا۔ تب آپ نے فرمایا کہ کیا تم سب کے سب فرشتے بن گئے۔ اگرچہ ایسی ایسی نظریں اس زمانہ میں ملنی دشوار ہیں مگر پھر بھی جہاں تک ہو سکے ہر ایک مسلمان کو ایسے پاک وجودوں کے پاک افعال کی تقلید کرنا چاہیے۔

ابھی تھوڑے دن کا ذکر ہے۔ ایک شخص احمد خاں گدو کے نامی ساکن ریاست بھاولپور کوٹھے پر چڑھ کر کسی نو وارد یا مہمان یا مسافر کا انتظار کرتا اور دعا مانگتا کہ الٰہی کسی مہمان کو بھیج کہ اس کے طفیل میں بھی اچھا کھانا کھالوں۔ آخرالامر اس کی دعا قبول ہوئی اور خدائے تعالیٰ نے تھوڑے دنوں کے بعد اس کو لنگر جاری کرنے کی توفیق بخشی۔

اسی طرح فقیر کے یاروں میں سے عبداللطیف نامی ساکن کوہاٹ نے دعا کے واسطے التجا کی کہ خدائے تعالیٰ مجھے اتنی توفیق بخشے کہ میں لنگر جاری کروں اور مسافروں کی خدمت کیا کروں۔

یارانِ طریقت کو ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر محبت کرنی چاہیے کہ مال و متاع سب ایک دوسرے پر فدا کریں اور اصولِ طریقت بھی یہی ہے کہ ایک پیر بھائی اپنے نو وارد پیر بھائی کے لیے اپنی سب چیزیں وقف سمجھے اور اس کی خدمت کو نعمتِ غیر مرتبہ سمجھ کر جہاں تک ممکن ہو کوئی دقیقہ اس کی خدمت گزاری میں فروگذاشت نہ کرے۔ صرف زبانی جمع خرچ کرنے اور یارِ طریق کہلانے سے کبھی بھی کوئی منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔ عرب کا ایک قول ہے **اَلْمُحَبَّتُ یُظْھِرُ بِالْیَد** یعنی محبت ہاتھ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اگر اس کے ثبوت کی ضرورت ہو تو دیکھو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات جب مہاجرین مکہ معظّمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں پہنچے تو مدینہ شریف والوں نے اپنے یارانِ طریق

کے ساتھ اس قدر ہمدردی کی کہ اگر ایک شخص کے پاس دو مکان تھے تو اس نے ایک مکان مہاجر کو دے دیا۔ اگر دو برتن تھے تو ایک برتن اور اگر دو کپڑے تھے تو ایک کپڑا اپنے پیر بھائی کے حوالے کر دیا۔ یہاں تک کہ اگر کسی کے نکاح میں دو بیویاں تھیں تو اس نے ایک بیوی کو اپنے مہاجر بھائی کے لیے طلاق دے دی۔ درحقیقت سچا اسلام وہی تھا' سچے پیر بھائی بھی وہی تھے۔

میرے گاؤں میں ایک بزرگ میاں غلام رسول صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں۔ ان کا پنجابی میں ایک شعر ہے' فرماتے ہیں:

جس نے داری کسے دی نہ کیتی تے نہ کیتا اسنوں راضی میاں قاضی
جے سے برساں پڑھے نمازاں تد بھی رب نہ راضی ہتھوں پاضی

یعنی جو کوئی اپنے مہمان کی خدمت کر کے اسے راضی نہیں کرتا وہ صدہا سال تک نماز بھی پڑھے پھر بھی اپنے خدا کو راضی نہیں کر سکتا۔ بلکہ بجائے راضی کرنے کے ایسے شخص یعنی خدمت نہ کرنے والے پر اللہ تعالیٰ خود ناراض ہوتا ہے اور حضرت مولانا روم صاحب فرماتے ہیں:

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد
ہر کہ نخوت کرد او محروم شد

حدیث شریف میں آیا ہے سید القوم خادمھم ایک دن جناب حافظ شہاب الدین صاحبؒ امام مسجد پٹولیاں ساکن لاہور نے حضرت مولوی خلیفہ نظام الدین صاحب لاہوری وارد بمبئی (جو لاکھوں روپے کے مالک تھے) سے سوال کیا کہ آپ نے اس قدر روپیہ کس طرح حاصل کر لیا۔ آپ نے فرمایا' حافظ صاحب میں جس تنگی سے لاہور میں گزارہ کرتا تھا' وہ آپ کو یاد ہے۔ بمبئی پہنچ کر میں نے درویشوں کی خدمت شروع کی' جس کی برکت سے لاکھوں روپیوں

کا مالک بن گیا ہوں۔ آپ سے بھی ہو سکے تو درویشوں اور مسافروں کی خدمت کیا کرو۔ حافظ صاحب مرحوم نے ان کے فرمان کی تعمیل کے لیے کمر ہمت مضبوط باندھ لی اور درویشوں کی خدمت شروع کر دی' جس کا نتیجہ ہوا کہ حافظ صاحب تھوڑے ہی دنوں میں مالدار ہو گئے اور جس عزت سے حافظ صاحب نے لاہور میں دن بسر کیے' وہ اہلِ لاہور سے مخفی نہیں اور قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں ان کے مہمانوں کی خدمت کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور انسان تو انسان حیوان کی خدمت کرنے میں بھی بڑے درجے ملتے ہیں بلکہ انسان پر حیوانوں کی خدمت گزاری واجب کی گئی ہے' کوئی پیغمبر آج تک نہیں گزرا جس کو بکریاں چرانے کی خدمت سپرد نہ کی گئی ہو' اس میں امتحان ہوتا ہے۔ میرے حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی مہمان حاضر خدمت ہوتا تو آپ باوجود ضعف پیری اور سو (۱۰۰) سال سے بھی زیادہ عمر ہونے کے بذاتِ خاص گھر میں تشریف لے جا کر چھاچھ یا شربت یا دودھ جو کچھ حاضر ہوتا' اپنے ہاتھ سے اٹھا کر لاتے اور اگر کھانا تیار ہوتا تو لے آتے' ورنہ اسی وقت کھانا تیار کرواتے۔ عمدہ اور لذیذ کھانے پکواتے اور اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلاتے۔ حق تو یہ ہے کہ جو لذت اس کھانے میں ہوتی تھی' وہ اس سے پہلے اور پیچھے کبھی نصیب نہ ہوئی' فقیر اس جگہ کھا جاتا تھا کہ کبھی عمر بھر نہیں کھایا۔

حضرت خواجہ خوان عالم صاحب نقشبندی مجددی نوری رحمۃ اللہ علیہ ساکن بادلی شریف ضلع گجرات کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی اجنبی پٹھان آپ کے ہاں اتفاقاً آ جاتا تو اس کے لیے علیحدہ کھانا تیار کرواتے اور خود اپنے ہاتھ مبارک سے اس کی خدمت کرتے' اگر کوئی شخص خصوصیت کی وجہ پوچھتا تو فرماتے کہ میرے حضرت پیر و مرشد کے وطن مبارک کے رہنے والے ہیں' اس لیے اور مہمانوں کی نسبت اُن کی خصوصیت ہے۔ اب میں یارِ طریقت کے لغوی معنی بیان کرتا ہوں۔ یار فارسی لفظ ہے اور اس کے معنی مددگار یا مدد کرنے والے کے

ہیں۔ طریقت کے معنی راہ کے ہیں، مگر مطلق راہ نہیں بلکہ وہ راہ جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف جانے والی ہو۔ پیر بھائی کے کیا معنی، جو دو شخص ایک پیر کے ملنے والے ہوں، ان کو تصوف کی اصطلاح میں پیر بھائی کہا جاتا ہے۔

جس طرح ایک شخص کے دو بیٹے ہوں، ان کو مادر زاد بھائی کہا جاتا ہے، ویسا ہی ان دونوں کو پیر بھائی کہا جاتا ہے، ان پیر بھائیوں کا تعلق اور محبت ان جسمانی مادر زاد بھائیوں سے بڑھ کر ہونی چاہیے۔ اس کو اپنے پیر بھائی کے دیکھنے سے اتنی خوشی حاصل ہو کہ اپنے متعلقین جسمانی کسی کے دیکھنے سے اتنی فرحت حاصل نہ ہو اور اس کے رنج و راحت میں شریک ہو، اس پیر بھائی کے رنج کو اپنا رنج اور اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف، اس کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھی، تو وہ شخص اس سچے خطاب پیر بھائی کا مستحق ہو سکتا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ ساکن تونسہ شریف فرمایا کرتے تھے کہ لفظ پیر بھائی نہیں بلکہ پیڑ بھائی ہے۔ پیڑ پنجابی میں درد کو کہتے ہیں، کیا معنی جو شخص دکھ یا درد یا تکلیف میں اس کا بھائی بن کر اس کی تکلیف یا رنج بٹائے، وہی پیر بھائی ہے، اس زمانے میں تو بعض شخصوں کو اس نام سے بھی نفرت معلوم ہوتی ہے۔ ہاں بعض یارانِ طریق اس کلمہ کو اپنی عزت اور فخر کا باعث سمجھ کر ادنیٰ سے ادنیٰ یا غریب سے غریب یارِ طریق کو فخر یہ طور پر پیر بھائی کے نام سے پکارتے ہیں اور یہ مقولہ ان کی زبان پر ہوتا ہے:

مقامِ عشق میں شاہ و گدا کا ایک رتبہ ہے
زلیخا ہر گلی کوچہ میں بے توقیر پھرتی ہے

وہ یہی سمجھتے ہیں کہ جس طرح ایک شخص کے دو بیٹے ہوں، ایک لاکھ روپیہ کا مالک اور دوسرا مفلس و عاجز مگر باپ کے بیٹے ہونے میں وہ دونوں شامل ہیں اور وہ مالدار اس مسکین کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ میرے باپ کا بیٹا نہیں ہے۔ ولدیت میں دونوں برابر شامل ہوں گے۔

ویسے ہی دو پیر بھائی خواہ وہ کسی حیثیت کے ہوں، ان کے پیر بھائی کہلانے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، جو ایسا کرتے ہیں ان کی سخت غلطی ہے۔

میرے یادوں میں سے ایک شخص شیخ محمد ابراہیم صاحب وکیل ریاست بیکانیر جو بڑے اعلیٰ پایہ کے آدمی ہیں اور مہاراجہ صاحب کے دربار میں کمال درجہ کا اعزاز حاصل ہے، ہمیشہ اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ مسکین وغریب طریقت کو پیر بھائی کے نام سے پکارتے ہیں، ان کے کلام کو بلا مختانہ اپنا کام سمجھ کر اپنے ذاتی کام سے بھی بڑھ کر سرانجام دیتے ہیں، خدا تعالیٰ اوروں کو بھی توفیق بخشے، آمین ثم آمین۔

اب ہم اس مسئلہ میں ایک شرعی نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں اور اپنے قارئین کو وہ فیصلہ سنانا چاہتے ہیں جو قرآن کریم اور حدیث شریف نے اس مسئلہ کے متعلق فرمایا ہے۔ خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ دیکھو پارہ ۲۶ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ یعنی مومن بھائی ہیں۔ دوسری جگہ قرآن شریف میں ارشاد ہے۔ دیکھو پارہ چھٹا اَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ یعنی خدائے تعالیٰ کے محبوب لوگ وہ ہوتے ہیں جو مومنوں کے ساتھ نرمی اور تواضع سے پیش آئیں۔ ایک اور جگہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے رفیقوں کی صفت اس طرح بیان ہوئی ہے۔ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ یعنی وہ لوگ آپس میں محبت اور شفقت کا برتاؤ رکھتے ہیں۔

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ جس شخص کی بہتری چاہتا ہے، اسے نیک دوست عطا فرماتا ہے تاکہ وہ اگر کہیں خدا کو بھول جائے تو دوست اسے یاد دلاتا رہے اور اگر وہ شخص خدا کی یاد میں لگا رہے تو دوست اس کا مددگار رہے۔ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ جہاں کہیں دو مومن مل بیٹھیں، ایک دوسرے سے دین کا ضرور فائدہ پہنچتا ہے۔ فرمایا جو شخص کسی کو خدا کے لیے اپنی بھائی بنالے، جنت میں ایسا درجہ بلند عطا کیا جائے گا جو اور کسی عبادت سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابوادریس خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا میں آپ کو خدا کے واسطے دوست رکھتا ہوں' حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ بات ہے تو میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ جنابِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے ارشاد فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن عرش کے اردگرد کرسیاں بچھائی جاویں گی' ان پر ایسے لوگ بیٹھے ہوں گے' جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے' اس وقت سب لوگ ڈر رہے ہوں گے' مگر یہ کرسی نشین اطمینان کے ساتھ بیٹھے ہوں گے' یہ لوگ خدا کے دوست ہیں جن کو نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ غم' لوگوں نے عرض کی' خدا کے حبیب یہ کون لوگ ہوں گے' فرمایا: اَلْمُتَحَبُّوْنَ فِی اللّٰہِ یعنی وہ لوگ ہوں گے' جو ایک دوسرے کو خدا کے واسطے دوست رکھتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ وہ آدمی جو آپس میں اللہ کے واسطے دوستی رکھتے ہیں' ان میں خدا کے نزدیک زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اپنے دوست کو زیادہ پیار کرے۔

فرمایا حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میری دوستی کے وہ لوگ حقدار ہیں جو ایک دوسرے سے میرے واسطے ملاقات کریں' میرے لیے ایک دوسرے کے ساتھ دوستی رکھیں' مجھے راضی کرنے کے واسطے مال سے ایک دوسرے کی تکلیف دور کریں اور میرے ہی لیے ایک دوسرے کی مدد کریں۔

فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا' کہاں ہیں وہ لوگ جو آپس میں میرے واسطے محبت رکھتے تھے تاکہ آج جبکہ پناہ لینے کو سایہ کہیں نہیں میں ان کو اپنے سایہ میں جگہ دوں۔

فرمایا جو شخص خدا کے واسطے اپنے دینی بھائی سے ملاقات کرتا ہے' اس کے پیچھے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا بہشت ہے تجھے مبارک ہو۔

فرمایا ایک شخص اپنے کسی دوست کی ملاقات کو جا رہا تھا' خدا کے حکم سے اسے ایک فرشتہ رستہ میں ملا اور اس شخص سے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ اس نے کہا فلاں بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا کیا تمہیں اس سے کچھ کام ہے' کہاں کچھ نہیں پھر پوچھا وہ شخص تمہارا کوئی رشتہ دار ہے۔ کہا کوئی نہیں' پھر پوچھا کہ اس نے تمہارے ساتھ کوئی احسان کیا ہے جس کا معاوضہ ادا کرنے کے لیے تم وہاں جا رہے ہو' کہا کوئی نہیں۔ فرشتے نے کہا جب تمہارا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تو پھر اس سے ملنے کیوں جاتے ہو؟ اس نے کہا بھائی میں تو صرف خدا کے واسطے اس کے پاس جا رہا ہوں اور خدا کے واسطے مجھے اس سے محبت ہے۔ فرشتے نے کہا تمہیں مبارک ہو کہ خدا تعالیٰ نے مجھے تیرے پاس اس واسطے بھیجا ہے کہ تجھے یہ خوشخبری سناؤں کہ خدا تعالیٰ تجھے دوست رکھتا ہے' اس واسطے کہ تو اسے دوست رکھتا ہے اور تیرے واسطے خدائے کریم نے اپنے اوپر بہشت واجب کیا ہے۔

فرمایا' ایمان کے بارے میں بہت مضبوط دستاویز وہ دوستی اور وہ دشمنی ہے جو خدا کے واسطے ہو۔

خدائے تعالیٰ نے کسی نبی پر وحی بھیجی کہ تم نے یہ زہد جو اختیار کر رکھا ہے' اس سے تم دنیا اور رنج دنیا سے چھوٹ کر آرام میں ہو گئے۔ میری یہ عبادت جو تم کر رہے ہو' اسے تمہیں ہمارے دربار میں عزت حاصل ہو گئی ہے لیکن دیکھو تو کبھی تم نے میرے دوستوں سے دوستی اور دشمنوں سے دشمنی بھی رکھی ہے۔

حضرت عیسیٰ پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے عیسیٰ اگر تم بالفرض کل زمین والوں اور کل آسمان والوں کی عبادتیں بھی بجا لاؤ اور ان عبادتوں میں کسی کی دوستی یا دشمنی میرے واسطے نہ ہو تو وہ سب عبادتیں بے فائدہ ہوں گی۔

ایک دفعہ لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا یا روح اللہ ہم کس کی صحبت میں

بیٹھا کریں۔ فرمایا' ایسے شخص کی صحبت میں جن کے دیکھنے سے تمہیں خدا یاد آئے' جس کی باتیں تمہارے علم کو بڑھائیں اور جس کے اعمال تمہیں آخرت کی طرف مائل کریں۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ داؤد لوگوں سے بھاگ کر تنہا کیوں بیٹھ رہا ہے۔ عرض کی الٰہی تیری محبت نے لوگوں کی یاد میرے دل سے محو کر دی اور میں سب سے متنفر ہو گیا۔ ارشاد ہوا داؤد ہوشیار رہو۔ اپنے واسطے کوئی دینی بھائی پیدا کرو اور جو شخص دین کی راہ میں تمہارا مددگار نہ ہو اس سے دور بھاگو کہ وہ تمہارے دل کو سیاہ کرے گا اور مجھ سے تمہیں دور رکھے گا۔

سلطان الانبیاء علیہ و آلہ والصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کا آدھا جسم برف سے بنا ہے اور آدھا آگ سے۔ وہ دعا مانگتا ہے کہ الٰہی جس طرح تو نے برف اور آگ میں الفت ڈال دی ہے۔ اسی طرح اپنے نیک بندوں کے دلوں میں بھی الفت ڈال دے۔

فرمایا جو لوگ خدا کے واسطے آپس میں دوستی رکھتے ہیں' ان کے لیے قیامت کے دن یاقوت سرخ کا ایک ستون کھڑا کیا جائے گا۔ جس کی چوٹی پر ستر ہزار دریچے ہوں گے۔ ان پر سے وہ لوگ اہلِ جنت کو جھک جھک کر دیکھیں گے' ان کے چہروں کا نور اہلِ جنت پر اس طرح پڑے گا جس طرح آفتاب کا نور زمین پر پڑتا ہے' اہلِ جنت کہیں گے' چلو ان کو دیکھیں۔ ان لوگوں کے بدن میں سندس کا سبز لباس ہو گا اور ان کی پیشانیوں پر لکھا ہو گا۔ اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللہِ یعنی وہ لوگ خدا کے واسطے دوستی کرنے والے ہیں۔

ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ نے موت کے وقت بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض کی کہ اے خداوند دوجہاں تو جانتا ہے کہ میں گناہ کرتے وقت تیرے فرمانبردار بندوں کو دوست رکھتا تھا۔ اس کام کو میرے گناہوں کا کفارہ کر۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ خدا کے واسطے دوستی رکھنے والے جب ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، تو ان سے اس طرح گناہ جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے پتے موسم خزاں میں۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کیمیائے سعادت میں اس مسئلہ کو جس خوبی سے بیان فرمایا ہے وہ قابلِ دید ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے عزیز! جب برادری اور صحبت کا عہد ہو گیا، تو اس کو عقدِ نکاح کی مانند سمجھ کر جو اس کے حقوق ہیں، ان کے ادا کرنے میں جان و دل سے ساعی رہنا چاہیے، کیونکہ جنابِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ دو بھائیوں کی مثال دو ہاتھوں کی سی ہے کہ ایک دوسرے کو دھوتا ہے۔

اور صحبت و محبت کے حقوق دس قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جس کا مال سے تعلق ہے اور یہ حق سب حقوق میں پہلے درجہ پر ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ ایک دوست اپنے دوست بھائی کے حق کو مقدم سمجھے اور اپنا حصہ اسے دے ڈالے جیسا کہ انصار کے حق میں خدا تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے۔ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ یعنی وہ اختیار کرتے ہیں، اپنی ذاتوں پر اگرچہ ان کو احتیاج ہو، دوسرا درجہ یہ ہے کہ ایک دوست اپنے دوست بھائی کو اپنا جیسا سمجھے یعنی اپنے اور اس کے درمیان اپنے مال کو مشترک جانے اور سب سے آخری درجہ یہ ہے کہ دوست بھائی کو اپنا خادم یا غلام سمجھا جاوے، یعنی جو چیز اپنی حاجت سے زیادہ ہو وہ اس کو دی جاوے لیکن اس سبب سے ادنیٰ درجہ میں بھی اس بات کا لحاظ رکھنا لازم ہے کہ محتاج دوست کو سوال نہ کرنا پڑے۔ اگر سوال تک نوبت پہنچی تو دوستی جاتی رہی۔ یہ دوستی یا صحبت اربابِ محبت کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

عتبۃ الغلام کا ایک دوست تھا۔ اس نے چار ہزار درہم طلب کیا، عتبۃ الغلام نے کہا، اس وقت دو ہزار درہم لے جاؤ، دو ہزار پھر لے جانا۔ اس دوست نے جواب دیا، عتبۃ الغلام تیری

غیرت کو کیا ہوا۔ لِلّٰہ دوستی کا تو دعویٰ کرتے ہو پھر دنیا کو اس پر ترجیح دیتے ہو۔

کسی بادشاہ کے روبرو حضرت صوفیائے کرامؒ کے ایک گروہ کے حق میں لوگوں نے چغلی کھائی۔ اس پر سب صوفیوں کے واسطے تلوار کھینچی گئی' ان میں حضرت خواجہ ابوالحسن نوری قدس سرہ بھی موجود تھے' سب سے پہلے آگے بڑھ کر کہا کہ پہلے مجھے قتل کرو' بادشاہ نے کہا کہ تم آگے کیوں بڑھتے ہو' کیا تمہیں اپنی جان عزیز نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ سب صوفی میرے دوست بھائی ہیں اور مجھے اس وقت موت کا یقین ہو چکا ہے۔ چاہتا ہوں کہ ایک گھڑی پہلے ان سب سے جان دوں تاکہ وہ جان ان پر نثار ہو جائے' یہ جواب سن کر بادشاہ حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ سبحان اللہ! ایسے بامروت لوگ اگر قتل کے لائق ہیں تو میں نہیں جانتا کہ زندہ رہنے کے لیے ان سے بہتر کون سے لوگ ہوں گے' اور سب کو رہا کر دیا۔

حضرت فتح موصلی قدس اللہ سرہ اپنے ایک دوست کے گھر گئے۔ وہ گھر میں نہ تھا۔ اس کی لونڈی سے کہا کہ اپنے مالک کا صندوقچہ لا۔ وہ لائی' جو کچھ درکار تھا صندوقچہ میں سے لے لیا' جب وہ دوست اپنے گھر آیا اور یہ ماجرا سنا تو خوشی کے مارے اس نے لونڈی کو آزاد کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص نے عرض کی۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سے دوستی اور برادری کروں۔ آپ نے فرمایا' میاں تمہیں برادری کے حقوق بھی معلوم ہیں۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا' ایک حق تو یہ ہے کہ تو اپنے سونے' چاندی' بلکہ ساری جائیداد میں مجھ سے زیادہ حقدار نہ رہے' اس نے عرض کی: 'حضرت ابھی میں اس درجہ کو نہیں پہنچا'۔ آپ نے فرمایا: تو بس چلے جاؤ۔ دوستی اور برادری تمہارا کام نہیں ہے۔

مسروق اور خثیمہ رحمۃ اللہ علیہما میں دوستی تھی اور دونوں صاحب قرضدار تھے' لیکن ایک نے دوسرے کا قرض اس طرح ادا کر دیا کہ دوست کو خبر تک نہ ہوئی۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے بیس (۲۰) درہم کسی دوست کے کام آویں تو وہ اس سو درہم سے بہتر سمجھتا ہوں جو فقیروں کو خدا کے واسطے دوں۔

جنابِ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگل میں دو مسواکیں بنائیں۔ ایک ٹیڑھی تھی اور دوسری سیدھی۔ ایک صحابی بھی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے سیدھی مسواک تو ان کو عطا فرمائی اور ٹیڑھی خود رکھ لی۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ اے خدا کے حبیب یہ مسواک اچھی ہے۔ آپ لیجیے اور ٹیڑھی مسواک مجھے دے دیجیے۔ آپ نے فرمایا' یاد رکھو جب کوئی شخص کسی کے ساتھ گھڑی بھر محبت رکھے تو قیامت کے دن اس سے ضرور سوال ہوگا کہ آیا تو نے حق محبت ادا کیا یا نہیں۔ آپ کا یہ فرمان صاف بتلا رہا ہے کہ حق محبت کے یہ معنی ہیں کہ آدمی اپنے کام کی چیز دوست کو دیوے۔

جنابِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب دو آدمی باہم صحبت رکھتے ہیں تو ان دونوں میں خدا کا بڑا دوست وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے دوست کے ساتھ زیادہ شفقت کرے۔

محبت کے حقوق کی دوسری قسم یہ ہے کہ دوست سب کاموں میں اپنے دوست کی طرف سے خواہش ظاہر ہونے کے پہلے ہی اس کی یاری و مدد کرے۔ خوشی خوشی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ دوست کی خدمت گزاری میں مصروف رہے۔ پہلے بزرگوں کی عادت تھی کہ ہر روز اپنے دوستوں کے دروازہ پر جا کر گھر والوں سے پوچھتے کہ کیا کرتے ہو لکڑی' آٹا' نمک ہے یا نہیں۔ دوستوں کے کام کو اپنے کام کی طرح ضروری جانتے کام کرتے تو بجائے دوست پر احسان کرنے کے خود احسان مند ہوتے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دینی بھائی مجھے اپنی بیوی بچوں سے بڑھ کر عزیز ہیں' اس لیے کہ ان لوگوں کو دیکھ کر مجھے خدا یاد آتا ہے اور جورو' بچے دنیا یاد دلاتے

ہیں۔

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کم سے کم تین دن کے بعد اپنے دوستوں کی ضرور خبر لیا کرو۔ بیمار ہوں' تو ان کی خدمت کیا کرو۔ کسی کام میں مصروف ہوں تو ان کی مدد کیا کرو اور اگر بھول گئے ہوں تو ان کی یاد دلایا کرو۔

حضرت جعفر ابنِ محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دشمن جب مجھ سے بے پروا ہو جائے' تب تک میں اس کی حاجت روائی میں جلدی کیا کرتا ہوں تو دوست کے حق میں کیا کروں۔

اگلے بزرگوں میں ایک بزرگ تھے۔ انہوں نے اپنے دوست کی وفات کے بعد چالیس برس تک حقِ محبت کی رعایت سے اس کے جورو' لڑکوں کی خدمت کی۔

تیسری قسم زبان سے متعلق ہے کہ اپنے بھائیوں کے حق میں اچھی بات کہے اور ان کے عیبوں کو چھپائے۔ اگر کوئی ان کی پیٹھ پیچھے ان کا ذکر کرے تو اس کا جواب دے اور یہ سمجھے کہ دیوار کے پیچھے وہ سن رہا ہے' جس طرح اپنے پیٹھ پیچھے اس کا رہنا چاہتا ہے' اسی طرح اس کے پیچھے خود بھی رہے۔ چرب زبانی نہ کرے' جب وہ اس سے کچھ کہے تو مان لے تکرار نہ کرے۔ اس کا راز فاش نہ کرے' گو کہ اس سے انقطاع ہو چکا ہو' کیونکہ یہ امر بدظنی سے ہوتا ہے۔ اس کے زن و فرزند اور احباب کی غیبت نہ کرے۔ اگر کسی نے اس کی شکایت کی ہو تو اس سے نہ بیان کرے' اس واسطے کہ اگر کہے گا تو اسے رنج دے گا۔ اگر لوگ اس کی تعریف کریں تو اس سے نہ چھپائے' اس واسطے یہ امر حسد کی دلیل ہے۔ اگر اس نے اس کی شکایت کی یا کچھ تقصیر کی ہے تو شکایت کرے اور معاف کر دے اور اپنا قصور یاد کرے جو خدا کی عبادت میں کرتا ہے تا کہ اپنے حق میں کسی کے قصور کرنے کو اچھنبا نہ جانے اور یہ سمجھے کہ اگر کوئی ایسے شخص کو ڈھونڈے جو بے خطا اور بے عیب ہو تو ہرگز نہ پائے گا اور خلق کی صحبت چھوڑ دیوے۔

حدیث شریف میں ہے کہ مومن ہمیشہ بھلائی ڈھونڈتا ہے اور منافق سدا عیب ڈھونڈتا ہے

چاہیے کہ ایک نیکی کے بدلے دس تقصیریں چھپائے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ برے آشنا سے پناہ مانگنا چاہیے۔ اس واسطے کہ جب وہ برائی دیکھتا ہے تو ظاہر کر دیتا ہے، جب اچھائی دیکھتا ہے تو چھپتا ہے۔

جب کوئی قصور معذرت کے لائق ہو تو اسے معاف کر دے اور نیک گمان کرے اس واسطے کہ بدگمانی کرنا حرام ہے۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مومن کی چار چیزوں کو دوسروں پر حرام کیا ہے، مال، جان، آبرو، بدگمانی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو اپنے برادر کو سوتا دیکھتا ہے تو اس کی شرمگاہ سے کپڑا اتارتا ہے تاکہ وہ ننگا ہو جائے۔ لوگوں نے کہا کہ یا روح اللہ اس امر کو کون روا رکھے گا، فرمایا تم ہی روا رکھتے ہو۔ اس واسطے کہ اپنے برادر کا عیب فاش کرتے ہو تاکہ اور لوگ اس سے واقف ہو جائیں۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ جب تو کسی کے ساتھ دوستی کرنا چاہے تو پہلے اس کو غصہ میں لا پھر کسی کو اس کے پاس مخفی بھیج تاکہ تیرا ذکر چھیڑے اور اگر وہ تیرا افشا راز کرے تو جان لے وہ دوستی کرنے کے قابل نہیں اور یہ بھی بزرگوں نے کہا ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ دوستی کر کہ تیرا جو حال خدا جانتا ہے، وہ جانے اور جس طرح خدا تعالیٰ چھپتا ہے، وہ چھپائے۔

کسی شخص نے ایک دوست سے اپنا راز کہا اور پوچھا تو نے اس بات کو یاد کر لیا، اس نے کہا نہیں بھولا ہوا ہوں۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ جو چار وقتوں میں تجھ سے بدل جائے، وہ دوستی کے قابل نہیں خوشی کے وقت، غصہ کے وقت، طمع کے وقت، خواہش نفسانی کے وقت چاہیے کہ ان وقتوں میں تیرے حق سے نہ گزرے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ نے اپنے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تجھے اپنا مقرب کیا ہے اور بوڑھوں پر ترجیح دی ہے' خبردار پانچ باتیں یاد رکھنا۔ ایک ان کے راز کو افشا نہ کرنا' دوسرے ان کے سامنے غیبت نہ کرنا' تیسرے ان سے کوئی جھوٹ بات نہ کہنا' چوتھے ان کے حکم کے خلاف نہ کرنا' پانچویں وہ تجھ سے ہرگز کوئی خیانت نہ دیکھنے پائیں۔

اے عزیز تو جان کہ کوئی چیز دوستی میں اتنا فساد اور خلل نہیں ڈالتی جتنا مناظرہ اور خلاف خلل ڈالتا ہے' دوست کی بات کو رد کیا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ گویا اس کو احمق اور جاہل کہا اور اپنے تئیں عاقل اور فاضل سمجھا اور اس سے تکبر کیا۔ چشمِ حقارت سے اسے دیکھا' یہ باتیں دشمنی سے ملی ہوئی ہیں' دوستی سے نہیں۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم اپنے بھائی کے کلام میں خوف نہ کرو' اس سے ٹھٹھا نہ کرو اور اس کے ساتھ وعدہ خلافی نہ کرو۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر تو نے اپنے بھائی سے کہا چل' اس نے کہا' کہاں تک تو وہ صحبت کے قابل نہیں بلکہ چاہیے کہ فوراً اٹھ کھڑا ہو اور کچھ نہ پوچھے۔

حضرت ابوسلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میرا ایک دوست تھا تو میں جو کچھ اس سے مانگتا وہ دیتا۔ ایک بار میں نے اس سے کہا کہ فلانی چیز کی مجھے ضرورت ہے' اس نے کہا کس قدر درکار ہے۔ پس اس دوستی کی حلاوت میرے دل سے جاتی رہی۔ دوستی کا نباہ اس امر میں موافقت کرنے سے ہوتا ہے جس میں موافقت کر سکیں۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ زبان سی شفقت اور محبت ظاہر کرے۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اِذَا حَبَّ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ فَلْیُخْبِر۔ یعنی جب کوئی شخص کسی کو دوست رکھے تو اسے خبر دے۔ آپ نے یہ اس واسطے فرمایا تاکہ اس کے دل میں بھی محبت پیدا ہو۔ اس صورت میں دوسرے کی طرف سے دوگنی محبت ہوگی۔ چاہیے کہ اس کی تمام احوال پرسی کرے'

رنج و راحت کی طرف سے دوگنی محبت ہوگی، چاہیے کہ اس کی تمام احوال پرسی کرے، رنج و راحت میں اس کا شریک رہے، اس کے رنج کو اپنا رنج اس کی خوشی کو اپنی خوشی جانے۔ جب اسے پکارے تو اچھے نام کے ساتھ پکارے۔ اگر اس کا کچھ خطاب ہے تو اسی سے پکارے کہ وہ اسے بہت دوست رکھتا ہوگا۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ یار کی دوستی تین چیزوں سے مضبوط ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اسے اچھے نام سے پکارا کرو، دوسرے یہ کہ پہلے خود اسے سلام کیا کر، تیسرے یہ کہ اپنے سے پہلے اسے بٹھا۔ ازاں جملہ یہ بھی ہے کہ پیٹھ پیچھے اس کی ایسی تعریف کر جو اسے پسند ہو۔ اس طرح اس کی جورو، لڑکوں اور متعلقوں کی بھی تعریف کر، ایسے کام سے دوستی بہت مضبوط ہوتی ہے اور وہ جو احسان کرے اس کا شکر کر۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کی نیک نیتی پر شکر نہ کرے گا، وہ نیک کام پر بھی شکر نہ کرے گا۔ اور چاہیے کہ اس کی پیٹھ پیچھے اس کی مدد کرے، جو شخص اس پر طعن کرتا ہے، اس کے کلام کو رد کرے اور دوست کو اپنی مانند جانے، جس کسی کے سامنے برائی کے ساتھ اس کے دوست کا ذکر آئے اور چپ ہو رہے تو یہ امر ایسا ہے کہ گویا دوست کے پٹتے دیکھا، اور مدد نہ کی اور چپ ہو رہا۔ بلکہ بات کا گھاؤ بہت کاری ہوتا ہے۔ کسی کا قول ہے کہ جب کسی نے میرے دوست کے پیٹھ پیچھے اس کا ذکر کیا تو میں نے فرض کر لیا کہ وہ دوست موجود ہے اور سنتا ہے تو ایسا ہی جواب دیا جسے میں نے چاہا کہ وہ دوست سنے۔

حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو بیلوں کو دیکھا کہ زمین پر بندھے ہوئے ہیں۔ جب ایک اٹھا تو دوسرا بھی اٹھا۔ یہ دیکھ کر آپ بے اختیار روئے اور فرمایا کہ برادرانِ دینی بھی ایسے ہی ہوتے ہیں کہ کھڑے ہونے اور چلنے میں ایک دوسرے کی متابعت کرتے ہیں۔

پانچویں قسم یہ ہے کہ علمِ دین میں جو اسے ضرور ہو سکھاوے۔ اس واسطے کہ اپنے بھائی کو دوزخ کی آگ سے بچانا۔ دنیا کے رنج والم سے چھڑانے کی بہ نسبت اولیٰ ہے۔ اگر علم سیکھنے کے بعد اس پر عمل نہ کرے تو اس کو نصیحت کرے اور خدا سے ڈرائے۔ مگر چاہیے یہ کہ نصیحت تنہائی میں ہوتا کہ مہربانی کی دلیل ہو۔ اس واسطے کہ برملا نصیحت کرنے میں رسوائی ہے اور جو کچھ کہتا ہے نرمی سے کہ سختی سے نہ کہے۔

جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنُ۔** یعنی مسلمان مسلمان کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ اپنے عیب ونقصان کو ایک دوسرے سے معلوم کرے اور جب تیرے بھائی نے مہربانی سے تنہائی میں تیرا عیب کہا تو چاہیے کہ اس کا احسان مان اور خفا نہ ہو۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص تجھے اطلاع کرے کہ تیرے کپڑے کے اندر سانپ یا بچھو ہے' تو تو اس سے خفا نہ ہو گا بلکہ اس کا احسان مانے گا۔ سب برے اخلاق آدمی میں سانپ بچھو کی مانند ہیں۔ مگر ان کا زخم قبر میں ظاہر ہوتا ہے اور ان کا زخم روح پر ہوتا ہے۔ وہ اس جہان کے سانپ' بچھو سے زیادہ موذی ہیں۔ اس واسطے کہ ان کا زخم بدن پر ہوتا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ اس پر خدا کی رحمت ہو جو میرے عیب کو میرے سامنے ہدیہ لائے۔ جب حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے تو فرمایا۔ اے سلمان سچ سچ بتاؤ میرا وہ احوال جو تمہیں برا معلوم ہو' تم نے کیا دیکھا اور کیا سنا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اس امر سے معاف رکھیے۔ فرمایا۔ ضرور بیان کرو۔ جب بہت اصرار کیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک وقت میں آپ کے دستر خوان پر دو طرح کا کھانا ہوتا ہے اور آپ کے پیراہن دو ہیں۔ ایک دن کا اور ایک رات کا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں اور

کچھ سنا ہے کہ نہیں۔

خدیفہ عشیٰ نے یوسف اسباط رحمہ اللہ تعالیٰ کو خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ تو نے اپنا دین دو جو کے بدلے بیچ ڈالا۔ یعنی بازار میں کسی چیز کی تو نے خریداری کی۔ مالک نے کہا۔ یہ چیز ایک دانگ کی ہے تو نے کہا تین ملسوج یعنی دو حبہ قیمت ہے۔ اس نے اس واسطے دے دی کہ تجھے پہچانتا تھا۔ تو اس نے یہ مسامحت اور رعایت تیری دینداری اور پرہیزگاری کے سبب سے کی۔ غفلت کا نقاب سر سے اتار اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو۔

اے عزیز جان تو کہ جس نے قرآن اور علم حاصل کیا اور پھر دنیا کی رغبت کی۔ مجھے خوف ہے کہ وہ خدا کی آیتوں سے دل لگی کرتا ہے۔ پس دین کی رغبت کی نشانی یہ ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ نصیحت کی باتوں سے ناصح کا احسان مند ہو۔ حق تعالیٰ نے جھوٹوں کی شان میں ارشاد فرمایا۔ وَلٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ اور جو شخص ناصح کو دوست نہیں رکھتا۔ اس سبب سے غرور و تکبر اس کے دین اور عقل پر غالب ہو جاتا ہے۔ یہ سب اس جگہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے عیب سمجھے ہی نہیں اور اگر سمجھ جائے گا تو اشارتاً نصیحت کرنا چاہیے۔ نہ صراحتاً اور علانیتاً کرنا چاہیے۔

اور اگر وہ اس قسم کا عیب ہے کہ تیرے ہی باب میں تقصیر کی ہے تو اسے پوشیدہ کرنا اور اس سے انجان بن جانا اولیٰ ہے۔ بشرطیکہ دوستی سے دل نہ پھر جائے۔ اور اگر پھر جائے تو چھپا کر غصہ کرنا قطع محبت سے اولیٰ ہے اور قطع محبت جھگڑنے اور زبان درازی کرنے سے بہتر ہے۔ چاہیے کہ صحبت رکھنے سے مقصود یہ ہو کہ پیر بھائیوں سے برداشت اور تحمل کرنے سے تو اپنے اخلاق درست کرے۔ یہ نہیں کہ ان سے بھلائی کی امید کرے۔

ابو کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میرا ایک مصاحب تھا۔ اس کے سبب سے میرے دل پر گرانی تھی۔ میں نے اس نیت سے اسی کچھ دیا کہ میرے دل کی گرانی نکل جائے مگر نہ نکلی۔

آخر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لایا اور کہا اپنا کفِ پا میرے منہ پر رکھ۔ اس نے کہا، ہرگز ہرگز یہ امر نہ ہوگا۔ میں نے کہا ضرور بالضرور اور خواہ مخواہ ایسا کر حتیٰ کہ اس نے اپنا تلوا میرے منہ پر رکھا۔ تو وہ گرانی میرے دل سے جاتی رہی۔

ابو علی رباطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عبداللہ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رفیق ہو کر میں نے سفر کیا۔ انہوں نے کہا راستہ میں سردار میں رہوں یا تم رہو گے۔ میں نے کہا تم رہو۔ انہوں نے کہا جو کچھ میں کہوں، میری فرمانبرداری کرنا۔ میں نے کہا بسروچشم۔ انہوں نے توبرہ مانگا۔ میں نے لاکر حاضر کیا۔ زادِ راہ اور کپڑے جو کچھ پاس تھا، اس میں بھر کر انہوں نے اپنی پیٹھ پر لادا اور چل پڑے۔ ہرچند ان سے میں نے کہا، مجھے دیجیے، تاکہ آپ تھک نہ جائیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمہیں سردار پر حکومت نہیں پہنچتی ہے تم فرمانبردار ہو۔ ایک رات مینہ برسنے لگا۔ صبح تک میرے اوپر کمبل تانے کھڑے رہے تاکہ مجھ پر مینہ نہ پڑے جب میں گفتگو کرتا تو کہتے میں سردار ہوں۔ تم فرمانبردار ہو۔ میں اپنے دل میں کہتا کہ کاش کہ میں انہیں سردار نہ بناتا۔

چھٹی قسم جو چوک اور قصور ہو جائے اسے بخش دینا ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر کوئی بھائی قصور کرے۔ تو ستر (۷۰) طرح کی عذر خواہی تو اپنی طرف سے کر اگر نفس نہ قبول کرے تو اپنے دل سے کہہ کر تو نہایت بدخو اور بدذات ہے کہ تیرے بھائی نے ستر (۷۰) عذر کیے اور تو نے نہ مانا۔

اگر وہ قصور ایسا ہے جس میں گناہ ہو تو اس کو لازمی ہے نصیحت کرتا کہ چھوڑ دے۔ اگر اس پر وہ اصرار نہیں کرتا ہے تو تو خود نادان اور انجان بن جا اور اگر اصرار کرتا ہے تو اس کو نصیحت کر اور اگر نصیحت سودمند نہ ہو تو اس مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہے کہ پھر کیا کرنا چاہیے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے قطع محبت کرنا چاہیے کیونکہ جب

لِلّٰہ دوستی کی۔ تو اب بھی خدا ہی کے واسطے اسے دشمن بنایا۔

حضرت ابو الدرداء اور صحابہ رضی اللہ عنھم کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ قطع محبت نہ کرنا چاہیے۔ اس واسطے کہ امید ہے کہ اس گناہ سے وہ پھر جائے۔ لیکن ایسے شخص سے ابتدا دوستی کرنا نہ چاہیے۔ جب محبت کر چکے تو قطع الفت نہ کرنا چاہیے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بھائی کو کوئی گناہ کرنے کے سبب سے نہ چھوڑ دے۔ اس واسطے کہ شاید آج کرتا ہے کل نہ کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ عالم کی خطا سے حذر کرو۔ اس سے قطع عقیدت اور ترک محبت نہ کرو۔ امید ہے کہ اس نگاہ سے جلد باز آئے۔

بزرگانِ دین میں دو دوست بھائی تھے۔ ان میں سے ایک خواہشِ نفسانی کے سبب سے کسی آدمی پر عاشق ہو گیا اور اپنے دوست سے کہا کہ میرا دل بیمار ہوا ہے، مجھے عشق کا آزار ہوا ہے۔ تیرا جی چاہے تو عقدِ اخوت چھوڑ دے، رشتۂ محبت توڑ دے۔ اس نے کہا، معاذ اللہ میں ایک گناہ کے سبب سے تیری دوستی چھوڑ دوں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ایک مرض عشق کی وجہ سے رشتۂ محبت توڑوں اور عزم بالجزم کر لیا کہ میرے دوست کو شافی برحق اس مرض سے جب تک شفا نہ عنایت کرے گا نہ کھانا کھاؤں گا، نہ پانی پیوں گا، بالکل فاقہ کروں گا۔ چالیس دن نہ کچھ کھایا، نہ پیا۔ پھر پوچھا کہ کیا حال ہے۔ کہا وہی حال ہے، وہی اندوہ و ملال ہے۔ پھر آب و دانہ سے صبر کیا اور دبلا ہونے لگا یہاں تک کہ اس دوست نے آ کر کہا کہ اب فضل خدا ہوا۔ میرا دل عشق سے ٹھنڈا ہوا۔ تب اس دوست صادق نے کھانا کھایا اور شکر خدا بجا لایا۔

ایک شخص سے لوگوں نے کہا کہ تیرا بھائی دینداری چھوڑ کر معصیت میں پڑا ہے تو اس سے دوستی کیوں نہیں چھوڑ دیتا۔ اس نے جواب دیا کہ اسے آج بھائی کی بڑی ضرورت ہے۔ اس واسطے کہ اس کا کام خراب ہو گیا ہے۔ میں اسے کیوں کر چھوڑ دوں۔ بلکہ یہ تو اس کی دستگیری کا

وقت ہے کہ مہربانی کر کے اسے سمجھاؤں اور دوزخ سے بچاؤں۔

بنی اسرائیل میں دو دوست تھے۔ دونوں ایک پہاڑ پر عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک ان میں سے شہر میں کوئی چیز خریدنے گیا۔ قضا کار اس کی نگاہ ایک خراباتی عورت پر پڑی عاشق ہو کر وہیں رہ گیا۔ جب کئی دن گزرے تو اس کا دوست ڈھونڈنے نکلا اور یہ ماجرا سن کر اس کے پاس آیا۔ یہ شرمندہ ہو کر بولا۔ میں تجھے نہیں جانتا' اس نے جواب دیا۔ اے بھائی تو کچھ تردد نہ کر مجھے جتنی مہربانی تیرے ساتھ آج کے دن ہے۔ پہلے ہرگز اتنی نہ تھی اور اس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر بوسہ دیا۔ جب اس نے اس کی اتنی مہربانی دیکھی تو سمجھا کہ میں اس کی نظروں سے نہیں گرا ہوں۔ اٹھا اور توبہ کی اور اس کے ساتھ چلا آیا۔

تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا مذہب سلامتی سے نزدیک ہے اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا طریقہ بہت پاکیزہ اور فقیہانہ ہے۔ اس واسطے کہ توبہ کا سبب ہوتا ہے اور آدمی کو عاجزی اور درماندگی کے وقت دینی بھائیوں کی حاجت پڑتی ہے تو ان کو کیوں کر چھوڑ دیں۔ فقہ کی وجہ ہے کہ دوستی کا عقد جو باندھا تھا تو وہ قرابت کا حکم رکھتا ہے۔ تو گناہ کے سبب سے قطع رحم کرنا درست نہیں ہے۔ اسی واسطے حق تعالیٰ نے فرمایا۔ فَاِنْ عَصَوْکَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ یعنی اگر قرابت والے تیری نافرمانی کریں تو تو کہہ دے کہ میں تمہارے عمل سے بیزار ہوں یہ نہ کہہ کہ میں تم سے بیزار ہوں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے کہا کہ تمہارا بھائی گناہ کرتا ہے۔ تم اس سے دشمنی کیوں نہیں رکھتے۔ کہا میں اس کے گناہ سے تو بیزار ہوں۔ لیکن وہ میرا بھائی ہے۔ مگر ابتدا میں ایسے آدمی سے برادری نہ کرنا چاہیے کہ برادری نہ کرنا خیانت نہیں ہے مگر صحبت قطع کرنا خیانت ہے اور اس کا حق چھوڑ دینا ہے جو پہلے ثابت ہو چکا ہے مگر سب علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر برادر نے تیرے حق میں تقصیر کی ہے تو اس کو بخش دینا اولیٰ ہے اور اگر وہ عذر خواہی کرے

تو گو کہ تو جانتا ہو کہ جھوٹا ہے مگر عذر قبول کر لے۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کا عذر قبول نہ کرے گا تو یہ اس شخص کے گناہ کی مانند ہے جو راستے سے مسلمانوں سے خراج لے اور فرمایا ہے کہ مسلمان جلد خفا ہوتا ہے اور جلد خوش ہوتا ہے۔

حضرت ابو سلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرید سے کہا کہ جب کسی دوست سے تو کوئی جفا دیکھے تو اس پر عتاب نہ کر۔ شاید عتاب کرنے سے تو ایسی بات سنے جو اس جفا سے سخت ہو۔ مرید نے کہا کہ میں نے جب اس بات کو آزمایا۔ پیر کی نصیحت کے موافق پایا۔

ساتویں قسم یہ ہے کہ تو اپنے دوست کی زندگی میں اور موت کے بعد دعا کے ساتھ یاد کرے اور جس طرح اپنے زن و فرزند کے واسطے دعا کرتا ہے، اسی طرح اس کے زن و فرزند کے لیے بھی دعا کرے اور درحقیقت وہ دعا اپنے حق میں ہے۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کے واسطے اس کے پیٹھ پیچھے دعا کرتا ہے، تو فرشتہ دعا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تجھے بھی یہ بات حاصل ہو اور ایک روایت میں یوں وارد ہوا ہے کہ خود حق تعالیٰ جل شانہ، فرماتا ہے کہ میں پہلے تیرا مدعا بر لاؤں گا اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دوستوں کی دعا جو غائیت میں ہو، حق تعالیٰ اسے رد نہیں فرماتے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ میں ستر دوستوں کا نام سجدہ میں لیتا ہوں اور ہر ایک کے واسطے دعا کرتا ہوں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ بھائی وہ ہے جو تیری موت کے بعد دعا کرے کہ وارث مال میراث لینے میں مشغول ہوں اور اس بات کا اندیشہ کرے کہ حق تعالیٰ جل شانہ اور تجھ سے کیسی نبھے گی۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مردہ کی مثل اس کی سی ہے جو ڈوبتا ہو اور

سہارا ڈھونڈتا ہو۔ مردہ بھی زن وفرزند اور دوستوں سے دعا کا منتظر رہتا ہے اور زندوں کی دعا نور ہو کر مردوں کی قبروں میں پہنچتی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ دعا کو نور کے طباقوں میں مردوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلانے شخص کا ہدیہ ہے۔ مردے اسی طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح زندے ہدیہ سے خوش ہوتے ہیں۔

آٹھویں قسم یہ ہے کہ وفائے دوستی کو نہ بھولے اور وفاداری کے ایک معنی یہ ہیں کہ دوست کی وفات کے بعد اس کے زن وفرزند اور دوستوں سے غافل نہ ہے۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بڑھیا حاضر ہوئی۔ آپ نے اس کی تعظیم فرمائی۔ لوگ اس بات سے متعجب ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ عورت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وقت میں یہاں آیا کرتی تھی اور دوستی نباہنا ایمان میں داخل ہے اور وفاداری یہ ہے کہ جو شخص کسی دوست سے علاقہ رکھتا ہے' اس کا فرزند ہو یا غلام یا شاگرد' سب پر مہربانی کی نظر رکھے اور اس پر مہربانی سے زیادہ اثر دل پر پایا جاوے جو دوست کے ساتھ رکھتا تھا اور وفاداری یہ ہے کہ اگر منصب یا دولت یا حکومت پا گیا ہے تو اگلی تواضع اور مدارات نگاہ رکھے۔ اپنے دوستوں سے غرور نہ کرے اور وفاداری یہ ہے کہ ہمیشہ دوستی قائم رکھی اور کسی سبب سے قطع محبت نہ کرے۔ اس واسطے کہ شیطان کا بڑا کام یہ ہے کہ برادران کو وحشت میں ڈالتا ہے۔ جیسا حق تعالیٰ جل شانہ' نے ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا ہے۔ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطَانُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ اِخْوَتِیْ ۔ اور وفاداری یہ ہے کہ دوست کے دشمن کے ساتھ دوستی نہ کرے بلکہ اس کے دشمن کو اپنا دشمن جانے۔ اس واسطے کہ جو شخص کسی کا دوست ہو اور اس کے دشمن کا بھی دوست ہو تو یہ دوستی ضعیف ہوتی ہے۔

نویں قسم یہ ہے کہ تکلف درمیان سے اٹھاوے اور دوست کے ساتھ بھی ویسا ہی رہے جیسا کہ اکیلا رہتا ہے۔ اگر ایک دوست دوسرے کا لحاظ رکھے گا تو وہ دوستی ناقص ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا ہے' وہ دوست سب دوستوں سے بدتر ہے جس سے معذرت اور تکلف کرنے کی تجھے ضرورت پڑے۔

حضرت جنید قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے دوست دیکھے کوئی ایسے دو بھائی نہ دیکھے کہ ان میں سے ایک حشمت کے سبب سے دوسرے کی وحشت کا باعث ہوا۔ مگر یہ کہ کسی میں کچھ عیب ہو۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اہلِ دنیا کے ساتھ ادب سے گزران کر اور اہلِ آخرت کے ساتھ علم سے اور اہلِ معرفت کے ساتھ جس طرح تیرا جی چاہے۔

کچھ صوفی اس شرط سے باہم صحبت رکھتے تھے کہ اگر کوئی ہمیشہ روزہ رکھے۔ خواہ ہمیشہ کھانا کھائے یا رات بھر سوئے یا تمام شب نماز پڑھے۔ تو دوسرا کچھ نہ پوچھے کہ اس کا سبب کیا ہے۔ غرضیکہ لِلّٰہ دوستی کے معنی یگانگی ہیں اور یگانگی میں تکلف کو کچھ دخل نہیں ہے۔

دسویں قسم یہ ہے کہ اپنے تئیں سب دوستوں سے کمتر سمجھے اور ان سے کسی بات کی امید اور آرزو نہ رکھے اور کوئی رعایت نہ چھپائے اور سب حقوق ادا کرتا رہے۔

حضرت جنید قدس سرہ کے سامنے کسی شخص نے کہا کہ اس زمانہ میں بھائی کمیاب ہیں اور مکرر کہا۔ حضرت جنید قدس سرہ نے جواب دیا کہ اگر تو ایسا شخص چاہتا ہے کہ تو اس کی خدمت گزاری اور غم خواری کرے تو بہتیرے ہیں۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے تئیں دوستوں سے بہتر جانے گا' خود گنہگار ہوگا۔ وہ اس کے حق میں گنہگار ہوں گے اور اگر اپنے تئیں ان کے برابر سمجھے گا تو وہ بھی غمگین ہوگا اور وہ بھی رنجیدہ رہیں گے اور اگر اپنے تئیں ان سے کمتر جانے گا تو یہ دونوں راحت و آرام سے رہیں گے۔

حضرت ابو معاویہ الاسود رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میرے سب دوست مجھ سے بہتر ہیں کہ مجھے مقدم رکھتے ہیں اور میری بزرگی جانتے ہیں۔

امید ہے کہ یارانِ طریقت اس کو اپنا دستور العمل بنانے کی سعی کریں گے۔ السعی منا والا تمام من اللہ اور اس کے مطابق عمل کر کے سعادت دارین سے حظِ وافر حاصل کریں گے اور بزرگوں کے اقوال کو حرزِ جان بنا دیں گے۔ فقیر بھی دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ سب مسلمانوں کو یک جہتی اور اخوت کے بے بہا خزانہ سے کامل حصہ عطا فرما دے۔ آمین ثم آمین۔

☆☆☆

شریعت وطریقت کی راہ سے ناواقفیت کے باعث ہونے والے
نقصانات سے بچنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضرور فرمائیں

فیضانِ اولیاء اللہ

برادرانِ طریقت! اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رحمتِ عالم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کا تزکیہ فرماتے ہیں یعنی پاک فرماتے ہیں جن کے دل شیطانی وسوسوں' نفسانی سیاہ کاریوں سے آلودہ ہو چکے ہوں یا کوئی کافر دربارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرے تو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو اپنی نظرِ کرم سے نوازتے ہوئے ان کے ظاہر اور باطن کو پاک وصاف فرما دیتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ رحمت کا سلسلہ صحابہ کرام تابعین تبع تابعین رضی اللہ عنھم اجمعین اور پھر ان سے فیض پانے والے اولیائے کاملین کے ذریعے جاری رہا۔ جن میں غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ' عارف ربانی داتا گنج بخش علی ہجویریؒ' قطب المشائخ خواجہ غریب نواز اجمیریؒ' سید الاولیاء بابا فرید الدین گنج شکرؒ سیدنا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ' عارف باللہ' خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمھم اللہ کو معرفت وحقیقت کا جو اعلیٰ مقام نصیب ہوا' اس کی مثال نہیں ملتی۔

اسی طرح سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے تاج الاولیاء' قطب الاقطاب شریعت وطریقت کے

مہتاب، قبلۂ عالم امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ بھی دنیائے روحانیت کے شہنشاہ بنے جن کے تصروفات اور فیضان عام ہیں۔

برادرانِ طریقت! ان نفوسِ قدسیہ کے روحانی تصروفات اور باطنی فیوض و برکات کے باعث ہر دور میں حق کی شمع روشن رہی اور ایسے اہلِ نظر پیدا ہوتے رہے جو نامساعد حالات کے باوجود باطل کے خلاف برسرِ پیکار رہے اور شریعت وطریقت کی روشنی میں لوگوں کے ظاہر و باطن کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ (سورہ بنی اسرائیل، آیت: ۷۱۔ ترجمہ: کنز الایمان) ''جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے''۔

علماء مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کسی صالح کو اپنا امام بنا لینا چاہیے۔ شریعت میں تقلید کر کے اور طریقت کر کے۔ تا کہ قیامت والے دن حشر اچھوں کے ساتھ ہو۔ اگر کسی نے صالح امام نہ بنایا تو اس کا امام شیطان ہو گا۔ واضح ہو کہ اس آیت شریف میں تقلید، بیعت، پیری، مریدی سب کا ثبوت ہے۔

مرشد کا فیض کیسے حاصل ہو گا؟

برادرانِ طریقت! جس خوش نصیب کو مرشدِ کامل کے دامن سے وابستگی حاصل ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اپنے مرشد سے فیض پانے کے لیے پیکرِ ادب بن جائے۔ اس لیے کہ طریقت کے اکثر معاملات کا انحصار آداب پر ہے۔

برادرانِ طریقت! اس آیتِ مبارکہ کے تحت علماء فرماتے ہیں کہ اس آیتِ مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے مرشد کے پاس بھی آواز پست رکھی جائے کیونکہ پیر و

مرشد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث اور نائب ہوتا ہے۔

ان آیات اور روایات سے پتا چلا کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سچے نائبوں کا ادب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو تقویٰ کے لیے خاص کر دیا ہے۔ امید ہے کہ تمام یارانِ طریقت اور مسلمان بھائی باادب اور خوش نصیبوں میں شامل ہونے کے طریقے کار کو جاننے کے لیے آگے دیے گئے آداب کو توجہ کے ساتھ ضرور پڑھیں۔ ان شاء اللہ ان کے مطالعہ سے سابقہ کوتاہیوں کی نشاندہی ہو گی اور ساتھ ساتھ رہنمائی بھی حاصل ہو گی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں آدابِ مرشد جاننے کا سچا ذوق وشوق دے اور پھر ان پر عمل پیرا ہو کر فیض مرشد حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

مرشد کامل کے چند اوصافِ حمیدہ

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلویؒ نے اوصاف مرشد کے بارے میں فتاویٰ افریقہ میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ مرشد یعنی جس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے مرید کا سلسلہ حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو جائے' اس کے لیے چار شرائط ہیں:

۱۔ مرشد کا سلسلہ باتصال صحیح حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا ہو' بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعہ سے اتصال ناممکن ہے۔

۲۔ مرشد سنی صحیح العقیدہ ہو۔ بدمذہب اور گمراہ کا سلسلہ شیطان تک پہنچے گا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک۔

۳۔ مرشد عالم ہو۔ یعنی کم از کم اتنا علم ضروری ہے کہ بلا کسی امداد کے اپنی ضروریات کے مسائل کتاب سے نکال سکے۔ کتب بینی اور سماعت سے بھی عالم بن سکتا ہے۔ یعنی فارغ التحصیل ہونے کی سند نہ شرط ہے نہ کافی بلکہ علم ہونا چاہیے۔ علم فقہ ضرورت کے مطابق جانتا ہو۔ عقائد اہلسنت سے پورا واقف ہو۔ کفر' اسلام' ضلالت اور ہدایت کا خوب جاننے والا ہو۔

۴۔ مرشد فاسق و فاجر نہ ہو یعنی اعلانیہ گناہ کرنے والا نہ ہو۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ کامل مرشد کے اوصاف یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب جس کو کہ مرشد بنایا جائے' اس کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ عالم ہو لیکن ہر عالم مرشد کامل نہیں ہو سکتا۔ اس کام کے لائق وہی شخص ہو سکتا ہے جس میں چند مخصوص صفات ہوں۔ یہاں پر مختصراً چند اوصاف بیان کیے جاتے ہیں۔

۱۔ جو دنیا کی محبت اور دنیوی عزت و مرتبے کی چاہت سے منہ موڑ کر ایسے کامل مرشد سے بیعت کر چکا ہو جس کا سلسلہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا ہو۔

۲۔ عبادت و ریاضت کرنے والا ہو۔

۳۔ تھوڑی نیند کرتا ہو۔

۴۔ تھوڑا کھانا کھاتا ہو۔

۵۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی تعمیل کرتا ہو۔

۶۔ زیادہ نمازیں پڑھتا ہو۔

۷۔ زیادہ روزے رکھتا ہو۔

۸۔ خوب صدقہ خیرات کرتا ہو۔

۹۔ با اخلاق اچھی طبیعت کا مالک ہو۔

۱۰۔ صبر' شکر' توکل' یقین' سخاوت' قناعت' امانت' حلم' انکساری' فرمانبرداری' سچائی' حیا' وقار اسی طرح کے دیگر اوصاف اس کی سیرت و کردار کی جزو ہونا چاہییں۔ اس مرشد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے ایسا نور اور روشنی حاصل کی ہو جس سے تمام بری خصلتیں مثلاً کنجوسی' حسد' کینہ' جلن' لالچ' دنیا سے بڑی امیدیں باندھنا' غصہ' سرکشی وغیرہ اس روشنی میں ختم ہو گئی ہوں۔

اصلی طریقت

مرشد علم کے سلسلے میں کسی کا محتاج نہ ہو سوائے اس مخصوص علم کے جو ہمیں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔

یہ مذکورہ اوصاف کامل مرشدوں یا پیرانِ طریقت کی کچھ نشانیاں ہیں جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نائبی کے لائق ہیں۔ ایسے مرشدوں کی پیروی کرنا صحیح ہے۔ (اور ہمارے پیر خانے یعنی امیر ملت سید جماعت علی شاہؒ کے گھرانے کا بچہ بچہ ولی ہے اور مذکورہ بالا تمام اچھی صفات کا حامل گھرانہ ہے۔ الحمدللہ علی احسانہٖ وانعامہٖ

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ایسے کامل پیر بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔ اگر یہ دولت یعنی کامل پیر کسی کو مل جائے اور وہ پیر اپنے مریدوں میں شامل بھی کر لے تو وہ مرید بڑا خوش نصیب ہے۔ پھر اس مرید کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے مرشد کا ظاہری و باطنی ادب کرے۔ (ایھا لولد۔ ص:۵۰)

ادبِ مرشد

الشیخ ابوالمواہب سیدنا امام عبدالوہاب شعرانیؒ اپنی مشہور زمانہ تصنیف الانوار القدسیہ فی معرفۃ قواعد الصوفیہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے میرے بھائی تو جان لے کہ مرشد کے ادب کا اعلیٰ حصہ مرشد کی محبت ہی ہے، جس مرید نے اپنے مرشد سے کامل محبت نہ رکھی، بایں طور کہ مرشد کو اپنی تمام خواہشات پر ترجیح نہ دی تو وہ مرید اس راہ میں کامیاب نہ ہوگا۔ کیونکہ مرشد کی محبت کی مثال سیڑھی کی سی ہے۔ مرید اس کے ذریعے ہی سے جڑھ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکتا ہے اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کے بندوں کو حق سے ملا دینے والے ہیں، ان سے محبت نہ رکھی تو وہ منافق ہوا اور منافق جہنم کے نچلے طبقے میں ہوگا۔

برادرانِ طریقت! جب تو نے اس بات کو جان لیا تو اب تو اپنے مشائخ کے محبین (یعنی اپنے سلسلے کے بزرگوں سے محبت رکھنے والوں) کے بعض اوصاف سے اپنی ذات کو آزمالے اور اپنی سچی اور جھوٹی محبت میں فرق کر لے۔ اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ تمام اہلِ طریقت نے اتفاق کیا ہے کہ محبت مرشد میں صادق مرید کی علامات میں ایک یہ ہے کہ وہ تمام گناہوں سے سچی توبہ کر لے اور تمام عیبوں سے پاکیزگی اختیار کرے۔

جو مرید گناہوں سے آلودہ ہو کر اپنے مرشد کی محبت کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے یعنی اس مرید کو اپنے پیر سے محبت نہیں۔ اسی طرح مرشد کو بھی اس سے محبت نہیں ہوتی۔ اے صاحبانِ طریقت! جب مرشد کو ایسے مرید سے محبت نہیں تو اللہ تعالیٰ کو کیسے محبت ہو گی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (سورہ مائدہ:۹۳)

ترجمہ: ''اور اللہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے''۔ (کنز الایمان)

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ (سورہ توبہ:۴)

ترجمہ: ''بے شک اللہ پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے''۔ (کنز الایمان)

اے برادرانِ طریقت! ان آیات بینات سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے گناہوں سے بچتے ہوئے نیکیوں پر استقامت حاصل کرنا ضروری ہے۔ غفلت کی زندگی اور بے فائدہ کاموں میں مشغولیت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کا سبب ہوتی ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بندے کا غیر مفید کاموں میں مشغول ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بندے کی طرف سے نظرِ رحمت وعنایت پھیر لی ہے۔ جس کام کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے' اگر اس کے سوا کسی اور کام میں لگ گیا یا یہ کہ اپنے پیر نے توبہ کرا کے جو سبق دیے ہیں' وہ بھلا دیے یا بالکل

غافل ہو گیا تو یہ بات اس مرید کے لیے بہت بڑے نقصان کی بات ہو گی۔ امام غزالیؒ نے اور فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کا حال ۴۰ سال کی عمر کے بعد یہ ہو کہ اس کی برائیوں پر بھلائیاں غالب نہ ہوں تو اسے دوزخ میں جانے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ (ایھا الولد۔ ص:۲۶)

برادرانِ طریقت! امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ مشائخ کبار نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اپنے مرشد کی محبت کے شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ مرید اپنے مرشد کی گفتگو کے علاوہ دیگر تمام لوگوں کی گفتگو سننے سے اپنے کان بند کر لے۔ اگر کوئی ورغلانے کی کوشش کرے تب بھی کسی کی بات نہ سنے۔

محبتِ مرشد

پیر و مرشد کی محبت کے سلسلے میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز یوں رقم طراز ہیں:

۱۔ وہ اپنے محبوب کی محبت میں مقتول ہو۔

۲۔ محبوب میں فانی ہو۔

۳۔ ہمیشہ محبوب کی طرف چلنے والا ہو۔

۴۔ بہت جاگنے والا ہو۔

۵۔ محبوب کے غم میں رونے والا ہو۔

۶۔ بہت آہ و زاری کرنے والا۔

۷۔ محبوب کی گفتگو اور نامِ مبارک سے راحت پانے والا۔

۸۔ محبوب کے غم اور دکھ میں ہمیشہ شریک ہونے والا۔

۹۔ محبوب کی خدمت گزاری میں بے ادبی سے ڈرنے والا۔

۱۰۔ اپنی طرز سے محبوب کے حق میں جو کچھ بھی کرے اس کو تھوڑا سمجھنے والا۔

۱۱۔ محبوب کے تھوڑے کو بہت سمجھنے والا۔

۱۲۔ محبوب کی اطاعت سے چمٹنے والا۔

۱۳۔ اس کی مخالفت سے بھاگنے والا۔

۱۴۔ جن تکلیفوں سے طبیعتیں متنفر ہوتی ہیں، ان پر صبر کرنے والا۔

۱۵۔ محبوب کی محبت میں دائمی مجنون رہنے والا۔

۱۶۔ محبوب کی رضا کو اپنی خواہشات اور منشا پر ترجیح دینے والا۔

برادرانِ طریقت غور فرمائیں۔ ابنِ عربی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اے بھائی! تو ان اوصاف کو جو میں نے تجھے مرشد کی محبت کے بارے میں بیان کیے ہیں، تو ان کو اپنی ذات پر پیش کر۔ اگر تو نے اپنی ذات کو ان کے موافق پایا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر اور جان لے کہ تو عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ مرشد کی محبت اس راستے سے اللہ تعالیٰ کی محبت تک پہنچ جائے گا۔ کیونکہ مشائخ کرام کی محبت و تعظیم اللہ تعالیٰ کی محبت و تعظیم کے دروازوں میں سے ہے۔ (فتوحات مکیہ۔ باب:۱۷۸)

مزید چند ضروری آداب

برادرانِ طریقت! ان آداب کو اگر غور سے پڑھا جائے تو دل میں اپنے پیر و مرشد کی محبت بڑھتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور مرید کو اپنے اندر کئی کمیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مرید کو مریدِ صادق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

امام شعرانیؒ چند آداب یوں تحریر فرماتے ہیں:

۱۔ اے میرے بھائی تو جان کہ سلوک کی منزل طے کرنے والا کوئی بھی مشائخ کرام کی محبت اور ان کے اچھی طرح آداب بجا لانے اور ان کی بہت خدمت کیے بغیر طریقت کی ایک اچھی حالت پر بھی نہیں پہنچا۔

۲۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ جو اپنے شیخ کے کمال کا اعتقاد نہ رکھے، وہ مرید اس مرشد کے ہاتھوں پر کبھی کامیاب نہ ہوگا۔

۳۔ مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے مرشد کو کبھی لفظ ''کیوں'' نہ کہے۔ کیونکہ تمام مشائخ نے اتفاق کیا ہے کہ جس مرید نے اپنے مرشد کو کیوں کہا تو وہ طریقت میں کامیاب نہ ہوگا۔

۴۔ حضرت شیخ عبدالرحمٰن جیلیؒ فرماتے ہیں کہ جو مرید اپنے نفس کو اپنے مرشد اور اپنے پیر بھائیوں کی محبت سے روگردانی کرنے والا پائے تو اسے جاننا چاہیے کہ اب اس کو اللہ تعالیٰ کے دروازہ سے دھتکارا جا رہا ہے۔

۵۔ مرید کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ خیال کبھی نہ لائے کہ اب وہ اپنے مرشد کا حق پورا کر چکا ہے۔ اگرچہ اپنے مرشد کی ہزار برس خدمت کرے اور اس پر لاکھوں روپیہ بھی خرچ کرے اور پھر مرید کے دل میں اتنا خیال آیا کہ اب وہ کچھ نہ کچھ حق ادا کر چکا ہے تو اسے طریقت میں ناقابلِ تصور نقصان پہنچے گا۔

۶۔ حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! تم بزرگوں کی صحبت سچائی اور یقین ہی کے ساتھ اختیار کرو۔ اگر وہ کسی ظاہری سبب کے بغیر تم پر زیادتی کریں تو بھی تم صبر ہی کرو اور تم ان کے پاس پختہ ارادہ اور عاجزی ہی لے کر جاؤ۔ پس اس طریقہ سے مرشد تمہیں فوراً ہی قبول فرمالیں گے۔

۷۔ مرید پر لازم ہے کہ مرشد کی خدمت میں ہر وقت سچائی ہی کے ساتھ آئے اگرچہ روزانہ ہزار بار آنا نصیب ہو۔

۸۔ حضرت علی بن وفارؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے بغیر مرشد اور ہادی کے کمال کا ارادہ کیا تو وہ مقصود کے راستے سے بھٹک گیا۔ کیونکہ میوہ اپنی گٹھلی کے وجود کے بغیر جو کہ اس کا اصل ہے کبھی کامل نہیں ہوگا تو مرید بھی اس طرح اپنے مرشد کے وجود کے بغیر کبھی کامل نہ ہوگا۔

۹۔ مرید پر لازم ہے کہ جب اس کا مرشد اس کے پیر بھائیوں میں سے کسی ایک کو اس سے آگے بڑھا دے تو وہ اپنے مرشد کے ادب کی وجہ سے اپنے اس پیر بھائی کی خدمت کرے، حسد نہ کرے۔ ورنہ اس کے جمے ہوئے پاؤں بھی پھسل جائیں گے اور اسے بڑا نقصان پیش آئے گا۔

۱۰۔ اگر کسی مرید کا یہ ارادہ ہو کہ وہ پیر بھائیوں سے آگے بڑھ جائے تو وہ اپنے مرشد کی خوب اطاعت کرے اور اپنے آپ کو ایسی صفات سے آراستہ کرے جن کے ذریعے وہ آگے بڑھ جانے کا مستحق ہو جائے اور اس وقت مرشد بھی اسے اسی پیر بھائی کی طرح دوسرے پیر بھائیوں سے آگے بڑھا دے گا۔ کیونکہ مرشد تو مریدوں کا حاکم اور ان کے درمیان عدل کرنے والا ہوتا ہے اور بہت کم ہے کہ کوئی مرید اس حسد کے مرض سے بچ جائے۔ (اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین!)

۱۱۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ جب تو نے جان لیا کہ تیرا مرشد اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے اور وہ تیرے اور تیرے رب کے درمیان واسطہ ہے اور ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ تیری طرف متوجہ ہوتا ہے تو تُو اس مرشد کی اطاعت کو لازم کر لے۔ ان شاء اللہ دائمی عزت پائے گا۔

۱۲۔ آپؒ اور فرماتے ہیں کہ تو عارف باللہ کی خدمت کر، تیری خدمت کی جائے گی اور تو بالخصوص مرشد کے روبرو اس کی ممانعت سے بچ۔ ورنہ تو معلوم ہو جائے گا اور دھتکارا

جائے گا' جیسا کہ شیطان ملعون ہو گیا اور دھتکارا گیا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو سجدہ کا تارک بن گیا تھا۔

۱۳۔ حضرت سید علی بن وفاؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ دکھانے والا تیرا مرشد ایک ایسی آنکھ ہے جس کے صدقے سے اللہ تعالیٰ تیری طرف لطف اور رحمت سے دیکھتا ہے اور ایک ایسا منہ ہے جس کے صدقے سے اللہ تعالیٰ تیری طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کی رضا سے راضی ہوتا ہے اور اس کی ناراضی سے ناراض ہوتا ہے۔ پس اے مرید تو اس بات کو جان لے اور مرشد کی اطاعت کو لازم کر لے اور دیکھ لے کہ تو کیا دیکھتا ہے۔

۱۴۔ حضرت علی بن وفاؒ فرماتے ہیں کہ جس مرید نے یہ گمان کیا کہ اس کا شیخ اس کے اسرار سے واقف نہیں ہے تو وہ مرید اپنے شیخ سے بہت دور ہے' اگرچہ دن رات مرشد کے ساتھ ہی بیٹھا ہو۔

۱۵۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اے مرید تو اپنے مرشد کے میٹھے کلام (حوصلہ افزائی) سے دھوکہ مت کھا۔ یہ نہ سمجھ کہ تو اب اس کے نزدیک ایک اعلیٰ مقام کو پہنچ گیا ہے۔

۱۶۔ برادرانِ طریقت! مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے اوپر مرشد کے ادب کو اشد ضروری جانے اور مرشد سے کرامت کی طلب کبھی نہ کرے اور نہ ہی خلافِ عادت کسی کام کا وقوع چاہے اور نہ ہی کشف اور ان جیسی چیزوں کا مطالبہ کرے' جس نے اپنے مرشد سے اس نیت سے کرامت چاہی کہ پھر وہ مرید اپنے مرشد کی اچھی اتباع کرے گا تو ایسے مرید کا اب تک اعتقاد صحیح نہیں اور نہ ہی اسے یقین ہوا ہے کہ اس کا مرشد اہل اللہ کے طریقے سے بخوبی واقف ہے۔ یعنی ایسا مرید اب تک ناقص مرید ہے۔

۱۷۔ حضرت ابوالعباس مرصیؒ فرماتے ہیں کہ اے مرید! تو اپنے مرشد سے کرامت طلب نہ کر تاکہ تو اس کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اتباع کرے۔ کیونکہ یہ بے ادبی ہے

اور دینِ اسلام میں تیرے شک کی علامت ہے کیونکہ جس ذات نے تجھے اس راہ کی طرف دعوت دی ہے' وہ تیرا مرشد ہے۔

۱۸۔ آپؒ فرماتے ہیں: مرید کا اپنے پیر کے مقام کو جاننا اللہ تعالیٰ کی معرفت سے زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کمال بزرگی اور قدرت مخلوق کو معلوم ہے اور مخلوق کو ایسی نہیں کہ (اس کا کمال و بزرگی بھی مخلوق کو معلوم ہو) پس انسان اپنی طرح کی ایک مخلوق کے بلند مقام کو کس طرح جان سکتا ہے جو اس کی طرح کھاتا بھی ہو اور پیتا بھی ہو۔

۱۹۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اے مرید! تو اپنے مرشد کے ادب کو اپنے اوپر لازم بنا۔ اگر چہ وہ تم سے کبھی خوش روئی و خندہ پیشانی سے گفتگو نہ فرمائیں۔ کیونکہ اولیاء اللہ کے قلوب مثل قلوب بادشاہوں کے ہوتے ہیں۔ فوراً ہی حکم و بردباری سے ناراضی کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ اگر ولی اللہ غضب ناک ہو جائے تو ایذا دینے والا اسی وقت ہلاک ہو جائے گا۔ اگر مہربان ہو تو اس وقت ثقلین (یعنی تمام جن اور تمام انسانوں) کی ایذا رسانی کو بھی برداشت فرمائیں گے۔

۲۰۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اے مرید تیرا مرشد جو کلام تیرے دل میں بودے تو اس کو بے ثمرہ مت سمجھ کیونکہ بعض اوقات اس کلام کا ثمرہ مرشد کے انتقال کے بعد بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی کھیتی ان شاء اللہ برباد نہیں ہو گی۔ پس اے بیٹے! ہر اس بات کو جو تو اپنے مرشد سے سنے اس کی خوب حفاظت کر اگر چہ اس بات کو سننے کے وقت تو اس کے فائدے کو نہ سمجھے۔

۲۱۔ برادرانِ طریقت! مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے مرشد کے چہرے کو ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھے بلکہ جہاں تک ہو سکے اپنی نظر نیچے رکھے اور اس بات کے لطف کو کتابوں میں نہیں لکھا جا سکتا۔ سالک لوگ ہی اسے چکھتے ہیں۔ ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر مرید اپنے

مرشد کے آداب کے مقام میں ثابت قدم ہو جائے اور مرشد کے چہرے مبارک کی طرف اکثر نگاہ رکھنے سے اس کی اہانت لازم نہ آئے تو پھر کوئی نقصان نہیں ہے۔

۲۲۔ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے سردار علی مرصفیؒ سے سنا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مرید کو لائق نہیں کہ وہ اپنے مرشد کی اجازت کے بغیر کسی وظیفے یا کسی ہنر میں مشغول ہو جائے۔

۲۳۔ مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے مرشد کی طرف پاؤں کبھی نہ پھیلائے۔ شیخ زندہ ہو یا وفات پا گئے ہوں۔ رات ہو یا دن' ہر وقت خواہ مرشد حاضر ہوں یا غائب' دونوں صورتوں میں مرشد کے ادب کی رعایت اور نگہبانی کرے۔

۲۴۔ برادرانِ طریقت! بزرگ فرماتے ہیں کہ مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے مرشد کے کپڑے اور جوتی مبارک کو نہ پہنے اور مرشد کے بستر پر نہ بیٹھے اور مرشد کی تسبیح پر وظیفہ نہ پڑھے۔ مرشد کی موجودگی میں نہ غیر موجودگی میں۔ ہاں! جب مرشد کریم ان چیزوں کے استعمال کی خود اجازت دے تو پھر درست ہے۔

۲۵۔ مشائخ کبارؒ نے فرمایا کہ جب مرشد اپنے مرید کو کوئی کپڑا' نعلین' عمامہ' تسبیح' ٹوپی یا مسواک مبارک عطا فرمائے تو یہ درست نہیں کہ وہ اس کو کسی دنیوی چیز کے بدلے میں بیچ ڈالے۔ کیونکہ بسا اوقات مرشد اس چیز میں مرید کے لیے کامل لوگوں کے اخلاق (یعنی خصوصی فیض) ڈال کر اس کے سپرد کرتے ہیں جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو چادر لپیٹ کر دے دی اور وہ زیادہ بھولنے والے تھے۔ پس انہوں نے فرمایا (یعنی ابو ہریرہؓ نے) کہ پھر میں نے اس دن کے بعد جو سنا یا دیکھا کبھی نہیں بھولا۔

۲۶۔ برادرانِ طریقت! علماء کاملین عارفین فرماتے ہیں کہ مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے دل کو

اپنے مرشد کے ساتھ ہمیشہ مضبوط باندھے ہوئے رکھے اور ہمیشہ تابعداری کرتا رہے اور ہمیشہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام امداد کا دروازہ صرف اس کے مرشد ہی کو بنایا ہے اور یہ کہ اس کا مرشد ایسا مظہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مرید پر فیوضات کے پلٹنے کے لیے صرف اسی کو معین کیا ہے اور خاص فرمایا ہے اور مرید کو کوئی مدد اور فیض مرشد کے واسطہ کے بغیر نہیں پہنچتا۔ اگرچہ تمام دنیا مشائخ عظا سے بھری ہوئی ہو۔

یہ قاعدہ اس لیے ہے کہ مرید اپنے مرشد کے علاوہ اور سب سے اپنی توجہ ہٹا دے۔ کیونکہ اس کی امانت صرف اس کے مرشد کے پاس ہوتی ہے، کسی غیر کے پاس نہیں ہوتی۔

ایک شبہ کا ازالہ: حضرت شیخ الدین الخواصؒ فرماتے ہیں کہ مرید پر واجب ہے کہ اپنے مرشد سے استمداد (یعنی مدد) کو بعینہٖ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استمداد سمجھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استمداد اللہ تعالیٰ سے استمداد سمجھے تاکہ مرید اس طریقے سے اہل اللہ کے طریقے کو پہنچ جائے۔

۲۷۔ برادران طریقت! شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ اپنے سردار شیخ علی مرصفیؒ سے سنا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مرید کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ مرشد جس سے دوستی رکھے، مرید بھی اس سے دوستی رکھے۔

۲۸۔ برادرانِ طریقت! بزرگ فرماتے ہیں کہ مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے مرشد کے کمال کا پختہ اعتقاد رکھے تاکہ تردد کے مرض سے بچ جائے اور فوراً ترقی کرے۔

۲۹۔ مرید پر لازم ہے اور واجب ہے کہ جب مرشد اس پر ناراض ہو جائیں تو فوراً ہی ان کو راضی کرنے کی کوشش میں لگ جائے اگرچہ اپنی خطا کا پتا نہ چلے جس مرید نے اپنے مرشد کو راضی کرنے کی طرف جلد بازی نہ کی تو یہ اس مرید کی ناکامی کی دلیل وعلامت ہے۔

۳۰۔ مرید پر لازم ہے کہ اپنے مرشد کی نیند کو اپنی عبادت سے افضل سمجھے کیونکہ مرشد کامل امراض باطنیہ سے محفوظ ہوتا ہے اور اس کی نیند عبادتِ الٰہی میں سستی کی بنا پر نہیں ہوتی۔ وہ ذوق کے مشاہدہ کے لیے سوتے ہیں۔ اے میرے بھائی تو جان لے کہ جس شخص نے اپنی عبادت کو اپنے مرشد کی نیند سے افضل سمجھا' وہ عاق ہے یعنی نافرمان ہو گیا اور عاق کا کوئی بھی عمل آسمان کی طرف نہیں اٹھایا جاتا۔

۳۱۔ برادرانِ طریقت! بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ ایک ادب یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مرشد کی اولاد اور عیال کی توفیق کے مطابق خدمت کرتا رہے اور اگر اولاد میں سے کوئی کسی قسم کی فرمائش کر دے تو ضرور پوری کر دے۔

برادرانِ طریقت! اعلیٰ حضرت امام اہلسنت الشاہ احمد رضا خانؒ فرماتے ہیں کہ مرید اپنے ارادہ و اختیار سے یکسر باہر ہو کر اپنے آپ کو شیخ مرشد و ہادیٔ برحق کے ہاتھ میں بالکل سپرد کرے۔ اسے مطلقاً اپنا حاکم و متصرف جانے۔ اس کے چلانے پر راہِ سلوک چلے اس کی کسی بات پر دل میں اعتراض نہ لائے۔

امام اہلسنتؒ مزید فرماتے ہیں کہ پیروں پر اعتراض کرنے سے بچے کہ یہ مریدوں کے لیے زہرِ قاتل ہے۔

ظاہر بین مرید

برادرانِ طریقت! اکثر ظاہر بین مرید مرشد کامل کے فرمان فیصلے اور طریقے کار کی حکمت سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں اور وسوسوں کا شکار ہو کر برباد ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ مرشد کامل کے ہر ہر حکم میں بے شمار اسرار پوشیدہ ہوتے ہیں' جنہیں ہر مرید سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ مرشد کامل اپنی نگاہِ ولایت سے جانچ کر کوئی فیصلہ فرماتے ہیں' جس کو سمجھنا ظاہر بین کے لیے ناممکن

ہوتا ہے۔

غافل مرید

برادرانِ طریقت! آپ نے ان مختصر آداب کو پڑھ کر اندازہ لگالیا ہوگا کہ مرید کو ہر وقت کس قدر محتاط اور باادب رہنا چاہیے کہ ذرا سی غفلت اور بے احتیاطی دین و دنیا کے بہت بڑی نقصان کا سبب بن سکتی ہے، جس کی شاید تلافی بھی نہ ہو سکے۔ اس لیے مرید صادق کو چاہیے کہ خلوت ہو یا جلوت، عاجزی کے ساتھ ہی رہے۔

مختصر اصطلاحات سلسلہ عالیہ نقشبندیہ

برادرانِ طریقت! راہِ سلوک کے طے کرنے میں جو عام طور پر زحمت و دقت محسوس ہوتی ہے، اس کو دور کرنے کے لیے سیدنا حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ نے مندرجہ ذیل کلمات سے طریقہ نقشبندیہ کے سیر و سلوک کی بنیاد مقرر فرمائی ہے۔

(۱) ہوش دردم۔ (۲) نظر بہ قدم۔ (۳) سفر در وطن۔ (۴) خلوت در انجمن۔ (۵) یاد کرد۔ (۶) بازگشت۔ (۷) نگہداشت۔ (۸) یادداشت اور شہنشاہِ نقشبند سیدنا حضرت بہاء الدین نقشبند بخاریؒ نے ان میں تین باتوں کا اور اضافہ فرمایا ہے: (۱) وقوف زمانی۔ (۲) وقوف عددی۔ (۳) وقوف قلبی۔ لہٰذا راہِ سلوک طے کرنے والے پر واجب ہے کہ ان اصطلاحات کو خوب اچھی طرح سمجھ کر اسی کے مطابق عمل کرے تا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرات خواجگان نقشبندؒ کی توجہ سے بامراد ہو۔

(۱) ہوش دردم:

ہوش دردم سے مراد یہ ہے کہ جو سانس اندر جائے اور باہر آئے وہ ہوش کے ساتھ اندر جائے اور باہر آئے۔ یعنی ذکر لسانی یا قلبی پوری توجہ کے ساتھ ہو' غفلت سے نہ ہو۔

سیدنا حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ اس طریقہ نقشبندیہ میں دم کی نگہبانی کرنی بہت ضروری ہے۔ جو شخص دم کی نگہبانی نہیں کرتا' کہتے ہیں کہ فلاں شخص طریقہ بھول گیا ہے اور حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس طریقہ میں اصل معاملہ ہی دم ہے۔ تمہارا کوئی دم خواہ اندر جائے یا باہر آئے' بیکار نہ جائے۔ یعنی ضائع نہ ہونے پائے۔ حضور کے ساتھ آئے اور جائے' غفلت بالکل نہ ہو۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ ہوش وردم یہ ہے کہ ایک سانس سے دوسری سانس کے وقفہ میں غفلت نہ ہو اور حضوری حاصل ہو جو سانس بھی لے' حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہو۔

(۲) نظر برقدم:

نظر برقدم کا مطلب یہ ہے کہ سالکِ راہ چلتے پھرتے تمام جگہ اپنی نگاہ پشت پا پر رکھے تاکہ اس کی نظر نہ بھٹکے۔

نظر برقدم کا اشارہ ہے سالک کی سرعتِ رفتار کی طرف' جس سے وہ راستہ کی مسافت اور خود پرستی کی دشوار گھاٹی طے کرتا ہے۔ یعنی نظر کی انتہا منزل مقصود پر اس کا قدم پڑتا ہے۔

(۳) سفر در وطن:

سفر در وطن کا مطلب یہ ہے کہ سالک بشری حالت سے سفر کرے۔ یعنی صفات بشری سے ملکوتی صفات اختیار کرے۔ مطلب یہ کہ بری صفات چھوڑ کر اچھی صفات کی طرف

آئے۔ برادرانِ طریقت! بزرگ فرماتے ہیں کہ خبیث آدمی جہاں بھی جائے' اس کی خباثت زائل نہیں ہوتی' جب تک وہ خود اپنی خباثت کو چھوڑ نہ دے۔

(۴) خلوت در انجمن:

حضرت سید خواجہ بہاء الدین قدس سرہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کے طریقے کی اصل کس چیز پر ہے۔ فرمایا خلوت در انجمن پر۔ یعنی بظاہر خلق کے ساتھ ہو باطن حق سبحانہ' تعالیٰ کے ساتھ۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے:

دیدۂ ظاہر میں میری کل جہاں بستار ہے
دیدۂ باطن میں کچھ نہ ہو تیرے سوا!!

مولانا عبدالرحمٰن جامی نقشبندیؒ فرماتے ہیں کہ:

بظاہر درمیان بازار باشم
بباطن درمیاں یار باشم

(۵) یاد کرد:

یاد کرد' اس سے مراد زبانی یا قلبی ذکر سے غفلت کا دور کرنا ہے۔ بموجب حکمِ الٰہی۔ ترجمہ: اپنے پروردگار کا ذکر کرو' گڑگڑا کر اور نہ ڈر سے نہ کہ پکار کر' صبح وشام اور غافلوں میں سے نہ ہو۔

(۶) بازگشت:

اس سے مراد یہ ہے کہ ایک بار دل سے کلمہ طیب پڑھے اور اس کے پیچھے زبان سے کہے

کہ اے اللہ میرا مقصود تیری ذات اور تیری ہی رضا ہے تا کہ اس آیت کریمہ کی زد میں نہ آئے جس میں ارشاد ہوا۔ ''اے محبوب! کیا تو نے دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود پکڑا''۔

(۷) نگہداشت:

اس سے مراد دل کے مراقبہ سے ہے۔ چنانچہ چند بار کلمہ طیبہ ایک سانس میں پڑھے تا کہ اس کا دل متردد نہ ہو۔ حضرت مولانا کاشغریؒ اس کلمہ کے معنی یوں بیان کرتے ہیں کہ ایک گھڑی یا دو گھڑی اور ان دو گھڑیوں سے جو بھی میسر ہو اپنے دل کی حفات کرے۔ یعنی اس کے دل میں (ماسواء اللہ) کچھ داخل نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس کے اسماء وصفات سے غافل ہو کر صرف احدیث ہی میں رکھے۔ بحکم آیت شریف ''کیا اللہ اپنے بندوں کے لیے کافی نہیں''۔

(۸) یادداشت:

اس سے مقصود یہ ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد میں اپنے ذوق کی وجہ سے ہمیشگی ہو اور بعضوں نے اس کو مکمل حضوری سے تعبیر کیا ہے، جس میں پردہ نہ ہو اور محققین کے نزدیک مشاہدہ استعلا یعنی دل پر ذاتی محبت کے توسط سے حق کا ظہور ہے کہ اس کا نام مشاہدہ ہے اور یادداشت سے مراد رجوع بھی ہے۔

(۹) وقوف زمانی:

یہ ہے کہ سالک اپنے احوال سے واقف ہوتا ہے کہ ہر وقت اس کی صفت اور حالت کیا ہے اور بسط کی حالت میں شکر۔ دیگر یہ کہ سالک اپنے نفس کو پہچان لیتا ہے کہ حضوری میں ہے

کہ غفلت میں ہے۔صوفیاء کرام کے نزدیک وقوف زمانی سے مراد محاسبہ ہے۔

(۱۰) وقوف عددی:

اس سے مراد ذکر میں عدد کا لحاظ رکھنا ہے۔حضرت خواجہ بہاء الدینؒ فرماتے ہیں کہ ذکرِ قلبی میں عدد کا لحاظ منتشر خیالات کو مجتمع کرنے کے لیے ہے۔ذاکر کو چاہیے کہ ایک سانس میں تین بار، پانچ، سات یا اکیس بار کہے اور طاق عدد کو لازم قرار دے۔

(۱۱) وقوف قلبی:

یہ دو معنی پر مشتمل ہے۔ایک یہ کہ ذکر میں اللہ تعالیٰ سے واقف اور آ گاہی ہو۔حضرت عبید اللہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ وقوف قلبی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ آ گاہی اور حضوری قلب مراد ہے اور ایک جگہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت ربط اور آ گاہی شرط ہے اور اس آ گاہی کو شہود، وصول، وجود اور وقوف قلبی کہتے ہیں۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ ذاکر اول سے واقف ہو۔یعنی ذکر کے دوران گوشت کے اس ٹکڑے کی طرف متوجہ ہو جو صنوبری شکل کا ہوتا ہے اور یہ بائیں پستان کی جانب واقع ہے اور اسی کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول کرنا ہے۔خلاصہ یہ کہ تو دل کی نگہبانی اس طرح کر کہ جس طرح پرندہ انڈے کی نگہبانی کرتا ہے۔کیونکہ بیضۂ دل کی نگہداشت سے ذکر میں تیزی اور ذوق میں مستی زیادہ ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کے ذیل کے ارشاد میں وقوفِ قلبی کی طرف اشارہ ہے کہ ''اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو''۔

تصورِ مرشد

برادرانِ طریقت! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''تم اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ ضرور یقین رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے''۔ (بخاری و مسلم)

مگر انسان کے لیے کسی چیز کو دیکھے بغیر تصور باندھنا مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا اور نہ ہی پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ البتہ ہم نے اپنے پیر و مرشد کو دیکھا ہے اور ان کے بتانے سے اللہ و رسول کو مانا ہے اور اسی لیے اپنے مرشد کریم سے محبت و عقیدت بھی ہے کہ یہ اللہ و رسول کو جانتے ہیں اور یہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر اپنے پیر و مرشد کا تصور کرنے کی کوشش کی جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہ شکل مبارکہ آئینہ حق نما بن جائے گی۔ عرصے کے بعد تصور مرشد کی برکت سے تصور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو گا۔ پھر اللہ جل شانہٗ کی صفات پر بھی دھیان جم جائے گا جو کہ دراصل مقصود ہے۔ پھر ہمیں ان شاء اللہ رب العزت کا تصور بھی حاصل ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے اور یہ تصور ہمیں گناہوں سے بچنے میں بھی مددگار ثابت ہو گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا والے کاموں میں بھی لگا دے گا اور یہی اصل کامیابی ہے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ تصورِ پیر قائم ہو جانا پیر و مرید کے درمیان کامل نسبت کی علامت ہے اور بارگاہِ الٰہی میں پہنچنے کا کوئی راستہ اس سے زیادہ قریب کا نہیں ہے۔ (مکتوبات امام ربانی۔ جلد سوم)

اسی طرح کاملین عارفین فرماتے ہیں کہ تصورِ شیخ اور تصورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ اس لیے کہ تصور میں تصورِ پیر کے ذریعے سے روحانی تربیت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا مولوی محمد حسین صاحب قصوریؒ جو کہ قبلۂ عالمؒ کے خلیفہ مجاز ہیں،

فرمایا کرتے تھے کہ عبادت اس قدر کرو کہ عبادت کی (ب) اُڑ جائے اور وہ عبادت عادت بن جائے۔ اسی طرح ذکرِ الٰہی بھی اس قدر کرنا چاہیے کہ عادت بن جائے۔ بلکہ اس قدر ہو جائے کہ:

در و دیوار چوں آئینہ شد از کثرتِ شوق
ہر کجامی نگرم روئے ترامی بینم

ترجمہ: کثرتِ شوق سے در و دیوار آئینہ کی طرح ہو گئے ہیں کہ جس طرف دیکھتا ہوں، تجھ کو دیکھتا ہوں۔ تصور پیر کے صرف یہی معنی نہیں ہیں کہ پیر کو حاضر و ناظر سمجھے۔ یہ تو اس کی ابتدائی حالت ہے اور انتہائی حالت یہ ہے کہ اپنے روح و جسم کو پیر ہی کی روح و جسم سمجھے اور حالتِ عشق پیر کے تصور سے بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر عشق کے تین درجے ہیں:

(۱) اُنس۔ (۲) محبت۔ (۳) عشق۔

یعنی سب سے پہلے انس پیدا ہوتا ہے، پھر اس کی کثرت سے محبت پیدا ہوتی ہے اور پھر اس کی کثرت سے عشق پیدا ہوتا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ سالکانِ راہِ طریقت جن کو عشقِ پیر کی نعمت حاصل ہو جائے کہ اس سے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عشقِ الٰہی پیدا ہوتا ہے۔

حافظ انور علی نقشبندیؒ فرماتے ہیں کہ:

پہلے عشقِ پیر ہے اور بعدہٗ عشقِ رسولؐ
بعدہٗ عشق حق، اس قاعدے کو تو نہ بھول

پس ثابت ہوا کہ عشق پیر کے بغیر عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہیں ہوتا اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر عشقِ الٰہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے عشقِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے ہر سالک کو ضروری ہے کہ وہ پہلے عشق پیر حاصل کر لے۔

یاد رہے پیر کا تصور کرنے سے عشق کی نعمت حاصل ہو جاتی ہے۔

مفید مشورہ

جو پیر بھائی یا پیر بہنیں یا کوئی بھی صاحبانِ طریقت یہ چاہتے ہیں کہ استقامت کے ساتھ ہمارے شب و روز تصورِ پیر کی برکتوں سے معمور ہو جائیں تو روزانہ وقت مقرر فرما کر کچھ دیر تصورِ پیر کی ضرور عادت بنائیں۔ ابتدا میں پہلے ہفتے روزانہ ایک منٹ تصور کریں، پھر دوسرے ہفتے دو منٹ۔ اسی طرح وقت بڑھاتے جائیں تا کہ نفس پر گراں بھی نہ گزرے اور تصورِ پیر کی کوشش بھی شروع کی جا سکے۔ اس ریاضت محنت سے ان شاء اللہ بہت جلد تصورِ پیر کی برکتیں ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گی اور پھر ہم یہ خیال جمانے میں بھی کامیاب ہو جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے۔

فضیلت و فوقیت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ

برادرانِ طریقت! امام ربانی، قیومِ زمانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تعریف اور ان بزرگوں کی نسبت کی بلندی اور باقی تمام طریقوں پر اس طریق کی فضیلت اور اس بیان میں کہ حضور دائمی ہے، اپنے ایک مرید شیخ محمد مکی لاہوری کی طرف ایک خط لکھا۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ پس ان بزرگواروں (یعنی مشائخ نقشبند) کا کمال تمام کمالات سے بڑھ کر ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر ہے۔ جیسا کہ ان کی عبارات میں آیا ہے۔ اِنَّ نِسْبَتَنَا فَوْقَ جَمِيْعِ النَّسَبِ (یعنی ہماری نسبت تمام نسبتوں سے برتر ہے)۔ نسبت سے ان کی مراد حضور ذاتی اور دائمی ہے اور ان سب باتوں سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ان کاموں کے طریقہ میں نہایت ابتدا میں درج ہے (یعنی دوسرے تمام سلاسل کی انتہا اور سلسلہ نقشبند کی ابتدا ہے) اور یہ بزرگوار نقشبند اس امر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے پیروکار ہیں۔ کیونکہ صحابہ کرام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی ہی صحبت

میں سب کچھ حاصل ہو جاتا تھا (جیسا کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ عطا فرما دیتے ہیں)۔
پس جرحس طرح ولایتِ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام پیغمبروں اور انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام کی ولایتوں سے بڑھ کر ہے' اسی طرح ان بزرگانِ نقشبند کی ولایت بھی تمام اولیاء قدس سرہم کی ولایتوں سے بڑھ کر ہے اور کس طرح بڑھ کر نہ ہو جب کہ ان کی ولایت حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ ہاں کامل مشائخ میں سے بعض افراد کو یہ نسبت حاصل ہوئی ہے لیکن وہ بھی حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی ولایت سے اقتباس ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ نے اس حدیث کے دوام کی خبر دی ہے کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا جُبّہ شیخ ابوسعید مذکور قدس سرہ کو پہنچا ہے' جیسا کہ صاحب نفحات نے نقل کیا ہے۔
اس طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے بعض کمالات کا اظہار سے غرض یہ ہے کہ طالبوں کو اس طریقہ عالیہ کی طرف رغبت پیدا ہو ورنہ کجا میں اور کجا ان بزرگوں کے کمالات کا بیان۔ (مکتوب نمبر ۲۱۔ جلد اول)

امام ربانیؒ ایک جگہ اور فرماتے ہیں کہ حضرت خواجگان نقشبندیہ قدس سرہم کا طریق نہایت در ہدایت پر مبنی ہے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا ہے کہ ہم نے انتہا کو ابتدا میں درج کر دیا ہے اور یہ بعینہٖ اصحابِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین کا طریق ہے کیونکہ یہ بزرگوار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی ہی صحبت میں وہ کچھ حاصل کر لیتے تھے کہ امت کے اولیاء کو نہایت النہایت میں بھی اس کمال سے تھوڑا سا حصہ بمشکل حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشی جو ابتدائے اسلام میں ہی ایک مرتبہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہوا۔ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے جو خیر التابعین ہیں' افضل ہے کیونہ جو کچھ وحشی کو آنحضرت کو پہلی صحبت میں حاصل ہو' حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو وہ خصوصیت انتہا میں بھی میسر نہ ہوئی۔ اسی واسطے سب زمانوں میں

سے بہتر زمانہ اصحاب کا ہے اور ثُمَّ کے لفظ نے دوسروں کو پیچھے ڈال دیا اور درجے کے بعد کی طرف اشارہ کیا۔

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک قدس سرہ سے پوچھا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہے یا عمرو بن عبدالعزیز تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ غبار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے ناک میں داخل ہوا۔ وہ عمرو بن عبدالعزیز کے کئی درجے بہتر ہے۔ پس ناچار ان حضرات کا سلسلہ سلسلۃ الذہب ہے اور اس طریقہ عُلیہ کی زیادتی دوسرے طریقوں پر ایسی ہے' جیسے زمانہ اصحاب کی زیادتی اوروں کے زمانے پر جن لوگوں کو کمال فضل سے ابتدا ہی میں اس پیالہ سے پانی کا گھونٹ پلا دیں۔ ان کے سوا دوسروں کو ان کے کمالات کی حقیقت پر اطلاع پانا مشکل ہے۔ ان کا نہایت دوسروں کے نہایت سے بڑھ کر ہوگا۔

میری بہار کو کرے قیاس بستان سے
ہوتا ہے سال ویسا جیسی بہار ہووے

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے (القرآن)۔

حضرت خواجہ خواجگان بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم فضلی ہیں۔ حق تعالیٰ اپنے نبی قریشی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہم کو اور آپ کو ان بزرگواروں کے محبوں اور تابعداروں میں سے بنائے۔ آمین! (مکتوب نمبر ۲۶۔ جلد اول)

نوٹ: بعض کم علم اور ناسمجھ سلسلہ علیہ نقشبندیہ کے حضرات یہ فوقیت اور فضیلت دیکھ کر دوسرے سلسلہ والوں سے بحث کرنے لگتے ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں۔ آپ نے حقیقت بتا دی' اگر مان جائے تو ٹھیک' ورنہ جھگڑنے اور نفرت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ سب بزرگانِ دین اپنی اپنی جگہ پر بڑے مرتبے اور مقام والے اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں اور سب

حق پر ہیں۔

درود شریف ہزارہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ مِّاَۃَ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّۃٍ o

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترکیب ختم خواجگان نقشبندیہ

رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

اول ہاتھ اٹھا کر فاتحہ بار واح پاک حضرت خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم پیش کریں اور تین بار یہ دعا مانگیں۔

خداوند بحضرت جلال تو باز گشتیم توبہ کردیم از ہر گناہ و بدی سہو و بیکاری خطا و غفلت کہ از ما گذشتہ است از زمان مکلّف تا ایں دم دانستہ یا نادانستہ از ہمہ باز گشتیم توبہ کردیم و بصدق دل می خوانیم اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔ اسکے بعد الحمد شریف آخیر سورت تک مع بسم اللہ سات مرتبہ پھر درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ آلِہٖ وَسَلِّم سو مرتبہ پھر سورہ المنشرح مع بسم اللہ شریف ۷۹ مرتبہ اس کے بعد سورہ اخلاص یعنی قل ھو اللہ شریف ایک ہزار ایک مرتبہ اس کے بعد پھر الحمد شریف سات مرتبہ اور درود شریف ایک سو مرتبہ آخر میں مندرجہ ذیل دعائیں گیارہ گیارہ بار یا بشرط فرصت سو سو مرتبہ پڑھیں:

۱. اَللّٰھُمَّ یَا قَاضِی الحَاجَات

۲. اَللّٰھُمَّ یَا کَافِی المھمات

۳. اَللّٰھُمَّ یَا حَل المُشکِلات

۴. اَللّٰھُمَّ یَا مُجِیبَ الدّعوات

۵. اَللّٰھُمَّ یَا منزل البَرکات

۶. اَللّٰھُمَّ یَا رَافِع الدّرجات

۷. اَللّٰھُمَّ یَا دَافِع البلیات

۸. اَللّٰھُمَّ یَا شَافِی الاَمرَاض

۹. اَللّٰھُمَّ یَا مُسبّب الاَسبَاب

۱۰. اَللّٰھُمَّ یَا مُفتَح الابواب

۱۱. اَللّٰھُمَّ یَا غیاث المستغیثین

۱۲. اَللّٰھُمَّ یَا دَلیل المتحیرین

۱۳. اَللّٰھُمَّ یَا امان الخائفین

۱۴. اَللّٰھُمَّ یَا ارحم الراحمین

نوٹ: ان اسمائے گرامی کے آخری حرف پر جب ندا کے بعد واقع ہوں' زبر پڑھنا واجب ہے۔

اس کے بعد یہ قطعہ تین مرتبہ یا پانچ یا سات مرتبہ پڑھیں:

شیأً للّٰہ چوں گدائے مستمند
المدد خواہم ز شاہِ نقشبند!

المدد یا خواجۂ مشکل کشا
ماہمہ محتاج تو حاجت روا

پھر یہ رباعی تین یا پانچ یا سات مرتبہ پڑھیں:

مفلسا نیم آمدہ در کوئے تو
شیأً للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما
آفرین بردست و بر بازوے تو!

اس تمام ختم شریف کا ثواب بہ بارگاہِ اقدس حضرت سرورِ کائنات فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر کے جمیع حضرات خواجگان نقشبندیہ و اولیائے کرام جمیع سلاسل صوفیائے عظام اور جمیع مومنین و مومنات بھیج کر حاجاتِ دینی و دنیاوی بخشوع و خضوع طلب کریں۔ ختم شریف کے واسطے ان ہدایات کا پابند ہونا ضروری ہے۔ ختم شریف باوضو پڑھیں۔ ختم شریف کی مجلس میں تا اختتام دوزانو ہو کر بیٹھیں۔ ختم شریف میں حقہ، سگریٹ پینے والے کو شرکت کی اجازت نہیں۔ ختم شریف میں کلام کرنا منع ہے جو شخص ختم شریف میں بعد میں شامل ہو وہ بھی فاتحہ بارواح خواجگانؒ پڑھ کر شامل ہوں۔ ختم شریف میں جو کچھ پڑھا جائے، ایک ایک شمارہ پر پڑھا جائے۔

الم نشرح اور سورۃ اخلاص ایک ایک دانہ پر مع بسم اللہ پڑھنے کا حکم ہے!

ضروری بات: اگر کوئی حاجت پوری نہ ہوتی ہو یا کوئی پریشانی ہو جو دور نہ ہوتی ہو تو

اعتقادِ کامل سے ختم خواجگان سات مرتبہ پڑھیں، خواہ ایک مجلس میں پڑھیں یا متفرق مجسلوں میں۔ اس کے بعد حضورِ قلب سے خوب گڑگڑا کر مصیبت زدہ یا محتاج اپنی حاجت کے پورا ہونے یا مصیبت کے دفع ہونے کے واسطے خود بھی دعا مانگے۔ امام ختم کی دعا پر اکتفا نہ کرے۔ کسی شیرینی پر فاتحہ دے کر سب کو تقسیم کر دی جائے۔ جب حاجت بر آئے تو پھر شیرینی تیار کر کے ایک مرتبہ ختم شریف پڑھ کر اور فاتحہ دے کر سب کو تقسیم کر دی جائے۔ نہایت مجرب اور اکسیر ہے۔ ان شاء اللہ العزیز المستعان حاجت پوری ہوگی۔

شجرہ شریف پڑھنے کے فوائد اور برکتیں

مشائخ کرام اپنے حلقہ میں داخل کرنے کے بعد کچھ اسباق تلقین فرماتے ہیں۔ یعنی سبق عطا فرماتے ہیں اور سختی سے ساری زندگی کرنے کا حکم دیتے ہیں اور مرید کو سستی یا غفلت سے منع فرماتے ہیں کہ دنیاوی کاموں کی وجہ سے غافل نہ ہو جانا۔ کیونکہ عمرِ عزیز بہت جلد ختم ہونے والی ہے جبکہ دنیاوی کام ختم ہونے کے بجائے اور بڑھتے رہتے ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ فراغت ملنے تک اعمال و اوراد کو چھوڑنا شیطانی مکر و فریب ہے۔ (تصوف کے حقائق)

مشائخ کرام کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنے مریدین و طالبین کو ایک شجرہ شریف بھی عطا فرماتے ہیں، جس میں سلسلہ عالیہ کے تمام مشائخ کے نام اور ضروری وظائف اور مخصوص ہدایات اور ملفوظات بھی ہوتے ہیں۔ شجرہ شریف میں سلسلہ عالیہ کے مشائخ کے نام بالترتیب اس طرح لکھے ہوتے ہیں کہ سلسلہ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ لہٰذا اس شجرہ عالیہ کو پڑھنے کی تلقین اس لیے کی جاتی ہے کہ جب کوئی شجرہ عالیہ پڑھے گا تو بار بار اپنے مشائخ کے نام لینے کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ نام بھی یاد ہو جائیں گے اور ہر بار انہیں ایصالِ ثواب

کرنے سے ان سے فیض بھی حاصل ہوگا۔

(اور یہ طے شدہ امر ہے کہ اولیاء کرام اپنے چاہنے والوں اور ایصالِ ثواب بھیجنے والوں کو نفع دیتے ہیں)۔

برادرانِ طریقت سے گذارش ہے کہ ختم خواجگان پڑھنے کے بعد شجرہ شریف بھی پڑھا کریں۔

وما توفیقی الا باللہ

☆☆☆

بافیضانِ نظر

بافیضانِ کرم

اعلیٰحضرت امیرِ ملت مجددِ دین
الحافظ القاری و قبلہ ملتِ عالم

پیر سید جماعت علی شاہ

محدثِ یگانہ علی پوریؒ

دیگر تصنیفات

پیر سید حافظ اشتیاق حسین جماعتی

صلوٰۃ بر محمد ﷺ

نجات در جہنم

آفتابِ ولایت
و
ماہتابِ امیرِ ملت

طالب دعا:
سہیل اکرم جماعتی